ہم مجرم ہیں

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم مجرم ہیں:

- ہمارے امراء دولت کی ہوس میں ہر حد کو پھلانگ رہے ہیں۔
- ہمارے غرباء اپنی غربت وافلاس ختم کرنے کے لیے ہر ناجائز کام کرنے کو تیار بلکہ بے چین ہیں۔
- ہمارے حکمران اپنی حب مال وجاہ میں ملک بیچنے پر آمادہ بلکہ اس میں مصروف ہیں۔
- ہمارے سپہ سالار اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنے سے قاصر ہیں۔
- ہمارے سیاستدانوں کو سوائے کرسی کی آرزو اور تگ وتاز کے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں۔
- ہمارے صحافی بکے ہوئے ہیں اور فحاشی وعریانی کے سوداگر ہیں۔
- ہمارے علماء میں عوام کی اصلاح کی تڑپ ہے اور نہ وہ اس کے لیے کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ وہ مدرسے میں چند اسباق پڑھا کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ہمالیہ سر کرلیا۔
- ہمارے صوفی 'اصلاح' کو کاروبار اور بزنس بنائے ہوئے ہیں۔
- ہمارے خواص دنیا میں غرق اور عوام بے حس ہو چکے ہیں۔
- ہم آخرت کی فکر سے غافل اور حبّ دنیا میں گرفتار ہیں اور ماسوا اسلام (خصوصاً مغربی فکر و تہذیب) میں پناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔
- ہم اللہ کے حقوق ادا کر رہے ہیں نہ اس کے بندوں کے۔
- ہم نے بحیثیت قوم اللہ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنائیں گے لیکن ہم اس میں نہ انفرادی حیثیت سے اسلام پر عمل کر رہے ہیں اور نہ اجتماعی حیثیت میں۔ یوں ہم نقضِ عہد کے سزاوار ہیں۔

اے اللہ! ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم مجرم ہیں۔ ہم اپنے سارے جرموں کا اقرار کرتے ہیں۔ ہمیں معاف فرمادے، ہمیں اصلاح اور توبہ کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین یا رب العالمین

تعلیم و تربیت

پروفیسر ملک محمد حسین ☆

پنجاب میں تعلیمی دہشت گردی

تعلیمی دہشت گردی کی اصطلاح بظاہر بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن وطنِ عزیز میں تعلیمی دہشت گردی ایک حقیقی مسئلہ ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ تعلیمی پالیسیوں کے ذریعے پبلک اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں ایسے اقدامات کیے جارہے ہیں جو عامتہ الناس کی ضروریات، امنگوں اور تصورات کے بالکل منافی ہیں۔ ان پالیسیوں کی نہ تو ملک کا دستور اجازت دیتا ہے نہ ملک کا بنیادی نظریہ۔ معاشرے کی روایات اور ضروریات کے بالکل برعکس تعلیمی فیصلے ریاستی اور سرمائے کی قوت سے ٹھونسے جارہے ہیں۔ نام عوامی مفاد کا لیا جاتا ہے لیکن عمل سراسر مفادِ عامہ کے خلاف ہوتا ہے۔ ہم پنجاب میں خاص طور پر برغمِ خویش خادم اعلیٰ کی نیت اور جذبے پر شک نہیں کرتے۔ ہم ان کی تعلیمی بیوروکریسی پر بھی خاکم بدہن تعلیم دشمنی کا الزام نہیں دھرتے لیکن تعلیم کے شعبے میں جو پالیسی اقدامات کیے جارہے ہیں انہیں بدنیتی پر مبنی نہیں تو کم از کم، کم عقلی پر مبنی کہے بغیر گزارا نہیں۔ ہم بیوروکریسی پر تعلیم دشمنی کا الزام نہ بھی دھریں تو تعلیم کے معاملات میں ان کی مکمل جہالت کا انکار نہیں کرسکتے۔ ان پالیسیوں کے سلسلہ میں دو امور ہیں۔ ایک مخلوط تعلیم کا مسئلہ اور دوسرا انگلش بطورِ ذریعۂ تعلیم۔

کچھ عرصہ پہلے تک لڑکوں اور لڑکیوں میں کم از کم بارہ چودہ سال کی عمر تک جنسی ادراک اور جنسی خواہشات کے مظاہر بہت کم نظر آتے تھے لیکن اب ٹی وی چینلز اور پرنٹ میڈیا نے جنسی بھوک اور جنسی خواہشات کا ایک طوفان پیدا کردیا ہے۔ خاص طور پر بچوں کے لیے کارٹون پروگرامز تو بہت ہی کم عمر بچوں میں جنسی تعلیم اور جنسی ادراک و خواہشات پیدا کررہے ہیں۔ ادھر ہماری خرد ماغ افسر شاہی نے اور افسر شاہی کے ہپناٹائز کیے ہوئے خادم اعلیٰ نے سرکاری سکولوں میں پرائمری سطح پر مخلوط تعلیم لازم کردی ہے نیز سکولوں میں مرد و زن اساتذہ کو بھی اکٹھا کردیا ہے۔ دوسری طرف پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں ہر سطح پر مخلوط تعلیم رائج ہے اور محکمہ تعلیم آنکھیں بند کیے ہوئے ہے۔ رجسٹریشن کے وقت انٹرمیڈیٹ تک تعلیم دینے والے ہر پرائیویٹ ادارے سے حلف نامہ لیا جاتا ہے کہ ادارے میں مخلوط تعلیم نہیں ہوگی لیکن عملاً بڑے بڑے جیّد دینی مالکانِ سکول کے اداروں میں بھی مخلوط تعلیم رائج ہے۔ ذرا میڈیا کی پھیلائی ہوئی جنسی بے حیائی اور فحاشی کو نظر میں رکھیے اور پھر تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم کے نتائج پر نگاہ ڈالیے تو کیا منظر نامہ بنتا ہے؟ یہ منظر نامہ پانچ چھ لڑکیوں لڑکوں کا وہ گروہ قوم کے سامنے پیش کرچکا ہے جو راولپنڈی کے

☆ ڈائریکٹر الفوز انٹرنیشنل گرلز کالج، جوہر آباد (خوشاب)

ایک تعلیمی ادارے سے گروپ کی شکل میں غائب ہوئے اور کچھ دنوں کے بعد پشاور کے ایک ہوٹل سے برآمد ہوئے۔ جدیدیت کے شوقین والدین کس طرح اپنی نوجوان بیٹیوں اور بیٹوں کو برقع اوڑھا کر اور چھپا کر عدالت سے اپنے گھروں کو لے گئے وہ ہم سب نے ٹی وی چینلز پر دیکھا اور کسی کی غیرت نے کوئی ذرا سا ٹھوکا بھی نہ لگایا۔ چند ماہ پیشتر پنجاب گروپ آف کالجز لاہور کی طالبات کے ساتھ رات گئے میوزک کنسرٹ کے اختتام پر جو حادثہ پیش آیا کیا وہ اسی تعلیمی دہشت گردی کا شاخسانہ نہیں تھا؟ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس بدترین حادثے میں تین نوجوان لڑکیوں کی جان گئی، درجنوں لڑکیاں زخمی ہوکر ہسپتال پہنچیں۔ سینکڑوں لڑکیوں کے جوتے اور شولڈر بیگ الحمرا کمپلیکس کے باہر لان میں بکھر کر زبان حال سے روح فرسا واقعہ کی کہانی بیان کررہے تھے لیکن قوم کا ردِعمل کیا آیا کہ پنجاب اسمبلی کی ایک بے ضرر قرارداد پاس ہونے کے بعد چند باحیت زدہ مرد وزن نے میڈیا پر وہ شور مچایا کہ الامان والحفیظ! حتیٰ کہ ایک نامور عالم دین مرحوم ومغفور کا دانش ور بیٹا بھی اپنی ترقی پسندی کا راگ الاپنے کی خاطر اُس گروہ ناہنجار میں شامل ہوگیا۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ پرائیویٹ تعلیمی ادارے اپنی پبلسٹی کی خاطر اخلاقی اقدار کا سہارا لینے کی بجائے اخباروں کے فل سکیپ صفحات میوزک کنسرٹ اور ناچنے گانے کی محفلوں کی تصویروں سے سجاتے ہیں۔ کیا یہ تعلیمی دہشت گردی کے دائرے میں نہیں آتا؟ دُکھ کی بات یہ ہے کہ محترم میاں نواز شریف اور محترم میاں شہباز شریف جو سیاسی میدان میں نظریۂ پاکستان کے سب سے بڑے علم بردار ہیں اور جن کا اپنا گھرانہ شرافت وشائستگی سے مزین گھرانہ سمجھا جاتا ہے ان کی حکومت کے ہاتھوں تعلیمی دہشت گردی کا ارتکاب ہورہا ہے۔ اس مضمون کی نوعیت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ تفصیل سے بتایا جائے کہ محترم خادم اعلیٰ پنجاب کی حکومت تعلیم کے میدان میں اور کیا کیا حماقتیں کررہی ہے؟ مانا کہ بعض اچھے اقدامات بھی ہوئے۔ پنجاب ایجوکیشنل انڈومنٹ فنڈ اس کی ایک روشن مثال ہے۔ لیپ ٹاپ کی تقسیم کی بھی تحسین کی جاسکتی ہے اگرچہ اس کام میں ملٹی نیشنلز کا فائدہ زیادہ نظر آتا ہے تاہم اسے ایک اچھا اقدام گردان لیتے ہیں لیکن اچھے اقدامات کے ساتھ قوم کی اخلاقی ،نظریاتی اور ذہنی صحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے جو مخلوط تعلیم کی بے جواز اجازت سے خراب ہورہی ہے۔

راقم الحروف تین سال پہلے کچھ عرصے کے لیے ہیلپ لائن نامی این جی او کے ساتھ کام کرتے ہوئے لاہور میں ٹاؤن شپ، گرین ٹاؤن اور بعض دیگر علاقوں میں سرکاری سکولوں کی بہتری کے لیے کام کرتا رہا ہے۔ اس دوران پرائمری سکولوں کی ہیڈ مسٹریسوں سے جب بھی پوچھا کہ آپ کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے تو اُن کا جواب ہوتا تھا مخلوط تعلیم۔ اُن کا کہنا تھا کہ چوتھی پانچویں جماعت کے لڑکوں اور لڑکیوں کو شرمناک حرکات سے باز رکھنا بہت مشکل ہورہا ہے۔ اس ضمن میں میں انہیں مزاحاً کہتا کہ مخلوط تعلیم کا "ثواب" جناب شہباز شریف کی روح کو ارسال کرتے رہا کریں کہ یہ انہیں قیامت کے روز حساب کتاب

کے وقت کام آئے گا۔

دوسری تعلیمی دہشت گردی جس کی ہم نے نشاندہی کی وہ ہے انگلش بطور ذریعہ تعلیم نیز پہلی جماعت سے انگریزی کی لازمی تعلیم۔ کوئی ذی شعور شخص کسی جدید زبان کی تدریس خصوصاً انگریزی کی تعلیم کا مخالف نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ہم ہیں لیکن عقل وخرد سے معرا اپنی قوم سے مخلص کوئی شخص بھی غیر ملکی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کی حمایت نہیں کرے گا۔ خاص طور پر سکول لیول پر غیر زبان میں تعلیم دینا تو زہر قاتل سے کم نہیں اور قتل بھی کسی فرد کا نہیں پوری قوم کا۔ ماہرین تعلیم، ماہرین نفسیات اور چوٹی کے دانشور اس پر متفق ہیں کہ بامعنی، بامقصد اور تنقیدی تحقیقی سوچ پیدا کرنے والی تعلیم صرف اور صرف اپنی زبان میں ممکن ہے۔ ہماری اردو میڈیم بیوروکریسی جو بیوروکریسی بن کر انگلش میڈیم بن جاتی ہے اور ہمارے پنجابی، پشتو، سندھی اور بلوچی میڈیم سیاستدان جو عوام کی گردنوں پر سوار ہو کر ہوش کھو بیٹھتے ہیں اور خوابوں ہی خوابوں میں انگلش میڈم بن جاتے ہیں قوم کے بچوں کے ساتھ مذاق شروع کر رہے ہیں۔

حالت یہ ہے کہ سکولوں میں تدریسی عملہ ناکافی ہے۔ اساتذہ کرام خود انگریزی پر دسترس میں کمزور ہیں۔ پڑھانے سے انہیں ویسے ہی الرجی ہے اوپر سے ناقابل عمل پالیساں ہیں، نتیجہ بے کاری اور تعلیم کشی جو فی الحقیقت نسل کشی پر منتج ہوگی۔ حکومت کی اس پالیسی کے نتیجے میں کچھ عرصہ کے بعد پتہ چلے گا کہ قوم نے انگلش میڈیم تو کیا بننا تھا وہ تو اردو میڈیم سے بھی فارغ ہوگئی ہے۔ حکومت اپنی نالائق بیوروکریسی کے زیر اثر تعلیم کش پالیسیاں چلاتی ہے۔ اہل تعلیم کی اول تو سُنی نہیں جاتی اور اگر کہیں سُننے کا ماحول میسر آئے تو سنا سکنے والے اہل تعلیم میسر نہیں ہوتے کیونکہ تعلیم کی کلیدی اسامیوں پر خوشامدی سیاسی کارکن براجمان ہوتے ہیں۔ تعلیم اور تعلیمی اشوز کا ادراک رکھنے والے خوشامد اور دربار بازی کے فن سے عاری ہوتے ہیں اور کہیں گوشہ عزلت میں پناہ گزین۔

جناب مجید نظامی اور ڈاکٹر رفیق احمد نظریۂ پاکستان کا پرچم تھامے نظریۂ پاکستان فاؤنڈیشن کے پلیٹ فارم پر اپنی سی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ اب گرمی کی چھٹیوں کی آمد آمد ہے اور نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام اساتذہ اور طلبہ کے سمر کیمپ شروع ہو جائیں گے۔ ان دو حضرات سے گزارش ہے کہ اس سال جناب شہباز شریف، جناب نواز شریف اور ان کی فیصلہ ساز ٹیم کو بھی نظریۂ پاکستان پر کم از کم ایک سہ روزہ کورس ہی کرا دیں اور ہاں اگر ممکن ہو تو سونامی برپا کرنے والے جناب عمران خان اور ان کی پاکباز ٹیم کو بھی دعوت دے دی جائے۔ رہ گئیں دینی جماعتیں تو وہ مسئلہ تو سمجھتی ہیں بس اللہ سے ان کے لیے عمل کی توفیق کی دُعا شاید مفید رہے گی۔

تعلیم و تربیت سعید الحق جدون

عصری علوم کی تدریس
اسلامی تعلیمات کے تناظر میں

ایک عرصے سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ علماء جدید علوم اور انگریزی زبان سیکھنے سے منع کرتے ہیں اور اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ ایک مغالطہ اور غلط فہمی ہے اور نہ جانے یہ غلط فہمی کہاں سے پیدا ہوگئی ہے؟☆ البتہ علماء یہ ضرور کہتے ہیں کہ انگریزی زبان اور عصری علوم کی وجہ سے غیروں سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے اکثر بھائی بہن جدید علوم کے حصول میں غیروں سے مرعوب ہوکر ان کی رو میں بہہ جاتے ہیں اور اپنی مذہبی اقدار و روایات اور تہذیب و ثقافت کو بھول جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات دینی فرائض کو بھی خیر باد کہہ کر آخرت کو برباد کر لیتے ہیں۔

اسلام کسی بھی علم اور زبان کا مخالف نہیں ہے بلکہ قرآن مجید نے بہت سے ایسے حقائق پر روشنی ڈالی ہے جو دنیاوی علوم کے زمرے میں آتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں '' باب العلوم المستنبطه من القرآن'' کی ذیل میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کی بہت سے آیات سے مختلف علوم مستنبط ہوتے ہیں مثلاً قصص و اخبار سے علم التاریخ، نصف، سدس، ثلث، ربع اور خمس سے علم الحساب، سورج، چاند ستاروں سے علم فلکیات اور علم المواقیت، فیه شفاء للناس سے علم طب، مناظرۂ ابراہیم سے علم الجدل والمناظرہ، اوائل السور سے الجبر والمقابلہ، صاحب السجن کے خواب سے علم تعبیر الرویاء ءانتم تزرعونه ام نحن الزارعون سے علم زراعت، علم بالقلم سے علم کتابت، اور قال الحواریون سے دھوبی فن وغیرہ۔ قاضی ابوبکر ابن العربی نے 'قانون التاویل' میں لکھا ہے کہ قرآن تین لاکھ نو ہزار آٹھ سو علوم کی بنیاد ہے۔ پس ان علوم کا حاصل کرنا جن سے کائنات کے اسرار و رموز کو جانا جا سکے قرآن کا عین مطلوب ہے۔

اس سلسلے میں جب ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے خالص دینی علوم کے علاوہ اپنے زمانے کے رائج الوقت مفید علوم سیکھنے کی نہ صرف ترغیب دلائی

☆ یہ غلط فہمی نہیں حقیقت ہے کیوں کہ علماء کرام اپنے مدارس میں نہ انگریزی پڑھاتے ہیں اور نہ معاصر علوم کی تعلیم دیتے ہیں جب کہ دور زوال سے پہلے علماء کرام اپنی جامعات میں عصری علوم پڑھایا کرتے تھے اور اسی روایت کو آج زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مدیر

بلکہ خود اس کا اہتمام فرمایا مثلاً علم میراث سیکھنے کا آپؐ نے حکم دیا ہے کہ وراثت کا علم حاصل کرو اور دوسروں کو سکھاؤ۔علم کتابت کے بارے میں فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو۔غزوۂ بدر کے موقع پر قید ہونے والے ان کفار سے، جو فدیہ نہیں دے سکتے تھے، یہ کہا گیا کہ وہ بطور متبادل مسلمانوں کو کتابت سکھائیں۔اصحاب صفہ کو کتابت سکھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادہ بن صامتؓ کو معلم مقرر کیا۔اسی طرح علم الانساب سیکھنے کا بھی آپؐ نے حکم دیا ہے۔فرمایا کہ سلسلۂ نسب کا علم سیکھو تاکہ تمہارے درمیان محبت بڑھے (ترمذی)۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، ابوالجہم بن حذیفہؓ اور جبیر بن مطعمؓ علم الانساب کے عالم تھے اور تمام انساب عرب میں مہارت رکھتے تھے۔جن قوموں کی زبانیں آپ ﷺ نہیں جانتے تھے۔صحابہ کرامؓ کو ان کے سیکھنے کا حکم دیا مثلاً حضرت زید بن ثابتؓ کو سریانی اور عبرانی سیکھنے کا حکم دیا۔حضرت ابوھریرہؓ فارسی اور حبشی زبانوں کے عالم تھے۔قاضی اطہر مبارکپوریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاں سیکڑوں غلام تھے۔ان میں سے ہر ایک الگ الگ زبان میں بات کرتا تھا اور عبداللہ بن زبیرؓ ہر ایک کے ساتھ اس کی زبان میں بات کرتے۔[خیرالقرون کی درسگاہ۔۱۱۷]

غرض یہ کہ میراث، انساب، فلکیات، حساب، طب، کتابت، علم التجوید اور غیر ملکی زبانیں ایسے علوم ہیں جن کے حصول کا باقاعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ تفریح اور کھیلوں کی طرف بھی پوری توجہ دیتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے درمیان دوڑ میں مقابلہ کرواتے تھے (خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریک حیات حضرت عائشہؓ سے دوڑ میں مقابلہ کرتے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوڑ میں میرا مقابلہ کیا تو میں آگے نکل گئی۔پھر جب میرا جسم بھاری ہوگیا تو آپؐ نے مسابقت میں مجھے ہرا دیا اور فرمایا یہ اس وقت کا بدلہ ہے) [ابوداؤد]

گھوڑسواری کے بارے میں فرمایا:"ارموا و ارکبوا" تیر چلاؤ اور سواری کرو(مسلم)۔حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کا مقابلہ کرایا اور آگے نکل جانے والے کو انعام دیا۔حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اپنی اولاد کو تیرا کی اور تیراندازی سکھاؤ اور ان سے کہو کہ وہ گھوڑے پر چھلانگ لگا کر سوار ہوں۔اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور پہلوان رکانہ کے ساتھ کشتی لڑی اور اس کو کئی بار پچھاڑ دیا۔علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں کہ فقہاء نے ان احادیث سے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ دوڑ میں مقابلہ اور کشتی لڑنا شرف و وقار، علم و فضل اور عمر کی بزرگی کے خلاف نہیں کیوں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑے تھے تو آپؐ کی عمر پچاس سے زیادہ تھی۔[الحلال و الحرام فی الاسلام۔۳۴۶]

تیراندازی ایک فنی کھیل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کو تیراندازی میں مشغول دیکھتے تو ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور کہتے تیر چلاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں(بخاری)

ایک اور جگہ ارشاد ہے' تیراندازی ضرور سیکھو کہ یہ بہترین کھیل ہے'۔ [الطبرانی]

نیزہ بازی کا کھیل کھیلنے کی اجازت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کو مسجد میں دی تھی اور حضرت عائشہؓ کو بھی اجازت دی تھی کہ ان کا کھیل دیکھیں۔ حضرت عمرؓ نے حبشیوں کو اس سے روکنا چاہا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' عمرؓ انہیں چھوڑ دو'۔ [بخاری و مسلم]

خلاصۂ کلام یہ کہ گھوڑسواری، دوڑ، تیراندازی، نیزہ بازی کی مشق، کشتی اور اس طرح کے کھیل جو ان دنوں رائج تھے مدینہ منورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی و سرپرستی میں کھیلے جاتے تھے۔ اول آنے والوں کو خود دربارِ رسالت سے انعامات ملتے تھے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدیم سائنسی علوم کی بھی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس وقت جو جدید ٹیکنیک بھی مروج تھی آپؐ نے کبھی اسے دین کے منافی تصور نہیں فرمایا۔ مثلاً مدینہ کے لوگ زراعت پیشہ تھے اور اسلام سے پہلے کھجور کے نر اور مادہ درخت میں اختلاط کی ایک خاص صورت اختیار کرتے تھے جس کو 'تابیر' (یعنی Cross pollination) کہا جاتا تھا۔ آپؐ نے ابتداءً اسے بے فائدہ تصور کرتے ہوئے منع فرمایا لیکن جب اس سال پیداوار کم ہوئی اور لوگوں نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنی رائے چھوڑ کر آئندہ ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہوئے کہا" **انتم اعلم بامور دنیاکم**"، تم اپنے دنیا کے امور کے بارے میں زیادہ واقف ہو۔ [مسند احمد]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منجنیق کا استعمال ایک جدید علم تھا جسے ہم آج کے ٹینک کا پیش رو کہہ سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو یمن کے عیسائیوں سے اس کا استعمال سیکھنے کے لیے انہیں یمن بھیجا اور پھر اس مہارت کو طائف کے معرکے میں استعمال فرمایا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس معرکہ میں منجنیق استعمال کی۔

غزوۂ خندق میں حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر آپؐ نے ایک طویل وعریض خندق کھدوائی۔ یہ عربوں کے لیے بالکل نیا تجربہ تھا۔ اس حسن تدبیر کے نتیجے میں اعداء اسلام کی متحد قوت ناکام واپس ہوئی۔

عہد نبوی میں جن علوم وفنون کی ترغیب دی گئی، خلافت راشدہ اور بالخصوص حضرت عمرؓ کے دور میں، وہ بام عروج پر پہنچے۔ آپ ﷺ کے دور میں علم جغرافیہ کی خصوصی تربیت کے شواہد ملتے ہیں۔ مفتوحہ ممالک کے جغرافیائی سروے کے لیے آپ ﷺ ماہرین کی جماعتیں بھیجتے رہتے تھے۔ اسی طرح کی ایک سروے رپورٹ حضرت عمر بن العاصؓ نے بھیجی تو وہ اس قدر جامع اور مفصل تھی کہ حضرت عمرؓ پکار اُٹھے' اے عاص کے بیٹے! خدا تم کو جزائے خیر دے۔ تم نے ایسی رپورٹ بھیجی ہے جیسے کہ میں خود مصر کو دیکھ رہا ہوں'۔ اس رپورٹ کا ترجمہ مشہور فرانسیسی اخبار فگارو نے شائع کیا تھا اور لکھا تھا کہ اس کو بلاغت، جامعیت اور واقفیت کے ایک اعلیٰ نمونے کے طور پر تعلیمی اداروں کے لازمی مطالعہ میں شامل کیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے یہ حکم دیا تھا کہ بازار میں کوئی ایسا شخص کاروبار نہ کرے جو علم معاشیات نہ جانتا ہو۔ آپؓ ایسے لوگوں کو سزا دیتے تھے جو فقہ نہ جاننے کے باوجود بازار میں بیٹھتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے دور میں عربی گرامر کے اصول آپ کی ذاتی نگرانی میں مرتب ہوئے اور غیر عرب طلبہ کے لیے نصاب تعلیم میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ آپ ایک ماہر قانون دان تھے۔ نبیصلی اللہ علیہ وسلم نے عدالتی امور میں آپ کی صلاحیتوں کو سراہا۔ آپؓ کے دانشمندانہ فیصلوں کی غیر اقوام بھی قائل ہیں۔ پروفیسر جیمز سمتھ اپنی کتاب'The Leadership of Muhammad' کے چوتھے باب میں حضرت علیؓ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ:

> "Ali was a lawyer and he made many decisions with his knowldege, his logic and in the view of Muhammad`s way".
>
> حضرت علیؓ ایک ماہر قانون دان تھے اور انہوں نے اپنے علم، حکمت اور حضرت محمدؐ کے نکتۂ نظر وطریق کے مطابق بہت سے فیصلے کیے۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح جاتی ہے کہ اسلامی عہد میں عصری اور سائنسی علوم کو نہ صرف قبول کیا گیا بلکہ ان علوم کا ترجمہ اور ان پر مزید ریسرچ وتحقیق کی ترغیب دلائی گئی جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے معاشرے کو وہ سائنس دان دیے جن کے ذکر کے بغیر تاریخ سائنس ادھوری رہے گی۔ چنانچہ منصف مزاج مغربی مصنفین نے ان علمی اور تحقیقی کارناموں کا اعتراف کیا ہے۔

ڈاکٹر لوسین لیارک اپنی تالیف Ecclessiatieal میں لکھتے ہیں کہ:

'اس امر کا اعتراف کرنا چاہیے کہ طبیعیات، نجومیات، فلسفہ، ریاضیات اور کیمیا وہ تمام

علوم جو دسویں صدی سے یورپ میں پھیلے، اصل میں عرب علماء سے حاصل کیے گئے ہیں۔ بابائے سائنس نیوٹن نے سائنس کے میدان میں مسلمانوں کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا" مجھے اس پر فخر ہے کہ میں عربوں کا شاگرد ہوں'۔

حقیقت یہ ہے کہ عصری علوم کی تحصیل ہر دور میں وقت کا اہم تقاضا ہوا کرتا ہے اور عہد حاضر کے چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے ان علوم کی تحصیل ایک ناگزیر ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اوقات کسی چیلنج کا مقابلہ کرنا خاص فنی مہارت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس چیلنج کا مقابلہ ایک دیندار اور پرہیزگار کی نسبت ایک فنی ماہر جو زیادہ دیندار نہ ہو اچھا کر سکتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے مشورہ کیا کہ فلاں جگہ جہاد کا معاملہ درپیش ہے۔ مختلف علاقوں سے فوجیں، رضا کاروں اور مجاہدین کے دستے جا رہے ہیں۔ ایک فوجی کمانڈر کی سربراہی میں ایک بڑا دستہ تیار ہو رہا ہے۔ وہ کمانڈر بڑا متقی اور پرہیزگار ہے، بڑا نمازی اور تہجد گزار ہے لیکن عسکری و سیاسی معاملات میں کوئی خاص ماہر نہیں ہے۔ البتہ ایک دوسرا شخص ہے جو زیادہ دیندار اور نیک تو نہیں لیکن اس کی عسکری مہارت مسلمہ ہے۔ تو فرمایے کہ ہمیں کس کے ساتھ جانا چاہیے؟ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا جو شخص نیک و متقی ہے لیکن عسکری مہارت کم درجہ کی رکھتا ہے اس کی نیکی و تقوی کا فائدہ اس کی ذات کو ہو گا اور اس کی عسکری عدم مہارت کا نقصان پوری قوم اور اسلامی فوج کو ہو گا۔ جو شخص زیادہ نیک نہیں ہے اس کی نیکی کی کمی کا نقصان صرف اس کی ذات کو ہو گا لیکن اس کی عسکری مہارت کا فائدہ پوری مسلمان امت کو ہو گا۔ اس لیے ثانی الذکر کو فوجی کمانڈر مقرر کیا جائے۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ایک فلاحی معاشرے کی تشکیل کے لیے جس طرح شرعی علوم کی ضرورت ہے اسی طرح عصری علوم کی تحصیل بھی وقت کا اہم تقاضا ہے۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور امام ابن تیمیہؒ نے السیاسۃ الشرعیہ میں لکھا ہے کہ:

'ایسی تمام مہارتوں و تخصصات کا حاصل کرنا مسلمانوں کے ذمے فرض کفایہ ہے جن کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان غیر مسلموں کے محتاج بن کر رہیں۔ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محتاجی سے بچانا اور ان کو اپنے تمام دینی و دنیوی معاملات میں خود کفیل بنانا مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے'۔

امام غزالیؒ نے امت مسلمہ سے یہ شکوہ کیا ہے کہ طلبہ فقہ پڑھتے ہیں لیکن طب اور ہندسہ نہیں پڑھتے اور ان علوم کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان غیر مسلم طبیبوں اور انجینئروں کے محتاج رہیں

گے۔اس احتیاج کوختم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے۔امام صاحب نے جس وقت امت مسلمہ سے شکوہ کیا تو اس دور میں لوگ عصری علوم نہیں پڑھتے اور فقہ پڑھتے تھے لیکن آج کے دور میں لوگ میڈیکل، انجینئرنگ اور دیگر عصری علوم پڑھتے ہیں لیکن فقہ نہیں پڑھتے۔بحیثیت مسلمان ہمیں دونوں علوم حاصل کرنا چاہئیں۔قرآن وسنت اور فقہ پر ہمارا دینی انحصار ہے جبکہ عصری علوم پر عصری تقاضوں کا دارومدار ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عصری علوم اسلامی نظام تعلیم کا ایک اہم شعبہ ہیں اور جب عصری علوم اسلامی نظام تعلیم کا اہم جزء ہیں تو پھر اسلامی نقطۂ نظر سے یہ علوم مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہیں لہٰذا علماء کرام اور دینی جامعات عصری علوم کی مخالف نہیں ہیں۔

غالبًا اس غلط فہمی کا منبع یہ ہے کہ آج ہم نے تعلیم کی دینی اور دنیوی تقسیم کی اصطلاح خود قائم کی ہے۔عصری علوم کے سیکھنے سکھانے کو دنیوی تعلیم اور قرآن وسنت کی تعلیم کو دینی تعلیم کہا جاتا ہے حالانکہ اسلام نے ایسی کوئی تقسیم نہیں کی۔اسلامی لحاظ سے علم کی دو اقسام ہیں۔ایک علم نافع جو انسانیت کے لیے مفید اور کارآمد ہو اور دوسرا علم غیر نافع جو انسانیت کے لیے نقصان دہ ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نافع کی دعا مانگی اور علم غیر نافع علم سے پناہ مانگی ہے۔آپ ﷺ دعا کیا کرتے تھے:

' أللّھمّ انی أعوذبک من علم لاینفع ومن قلب لایخشع '

'یعنی اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نافع نہ ہو اور اس قلب سے جو اللہ سے ڈرنے والا نہ ہو'

نظام سرمایہ داری کا کمال

اقوام متحدہ کے شماریاتی بیورو کے اعدادوشمار کے مطابق:

- مائیکروسافٹ کے مالک بل گیٹس کے پاس ١٦.٣ بلین ڈالر (تقریباً ٦ کھرب روپے) ہیں جو تیسری دنیا کے کئی چھوٹے ممالک کے مجموعی بجٹ بھی زیادہ ہیں۔
- ١٩٨٠ء میں ٹاپ ملٹی نیشنل ایگزیکٹوز اور ایک عام کلرک کی تنخواہ میں ١.٤٢ کی نسبت تھی جب کہ ١٩٩٩ء میں یہ نسبت ١.٤١٩ کی ہوچکی تھی۔
- امریکہ میں غریبوں اور امیروں میں نسبت ١٨٢٠ میں ١.٣ تھی جب کہ ١٩٩٩ء میں یہ نسبت ١.٤١٩ ہوچکی تھی۔ (لاہور سے باسط رحمٰن کی تلاش)

تفہیم دین علامہ محمد فتح اللہ گولن

خدا دکھائی کیوں نہیں دیتا؟

دراصل کسی چیز کو دیکھنے کا تعلق اس کا احاطہ کرنے سے ہوتا ہے، مثلاً انسان کے جسم میں بے شمار جراثیم ہیں۔انسان کے صرف ایک دانت کے نیچے لاکھوں بیکٹیریا پائے جاتے ہیں، جو انسان کے دانت میں سوراخ کر کے اسے خراب کر سکتے ہیں، لیکن انسان ان کی آواز اور شور سن سکتا ہے اور نہ ہی ان کا وجود محسوس کر سکتا ہے۔اسی طرح یہ بیکٹیریا بھی انسان کو دیکھنے اور اس کا احاطہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، کیونکہ بیکٹیریا کے لیے انسان کا احاطہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ انسان سے باہر کسی مستقل جگہ میں ہوں اور ان کی آنکھیں دور تک دیکھ سکتی ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ بیکٹیریا کا انسان کا احاطہ نہ کر سکنا ان کے لیے انسان کو دیکھنے سے مانع ہے۔وہ اپنے سامنے موجود چیز کے سوا کچھ نہیں دیکھ سکتے۔

عالم اصغر سے ایک مثال کے بعد اب ہم عالم اکبر سے مثال پیش کرتے ہیں۔تصور کریں کہ ہم چالیس کھرب نوری سال کی مسافت پر موجود چیزیں دکھا سکنے والی دوربین کے سامنے بیٹھے ہیں، لیکن اس کے باوجود کون ومکان کے بارے میں ہمارا علم سمندر میں ایک قطرے کے برابر ہے۔بعض اوقات ہم اس دوربین کی حدود میں آنے والی چیزوں سے متعلق بعض غیر واضح نظریات قائم کرنے اور کچھ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور ان مفروضات اور معلومات کو دوسرے مفروضات اور معلومات تک رسائی حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، لیکن ہم کائنات کی ماہیت، نظام، عمومی شکل اور محتویات کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتے، کیونکہ جیسے ہم عالم اصغر کے مکمل احاطے پر قادر نہیں، ایسے ہی ہم عالم اکبر کے احاطۂ کاملہ کی استطاعت نہیں رکھتے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جیسے ہم خوردبین اور ایکس ریز رکھنے کے باوجود عالم اصغر کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتے، ایسے ہی ہم عالم اکبر کا کامل احاطہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔اب ہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچتے ہیں۔آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ''ساتوں آسمان اللہ کی کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں، جیسے ڈھال میں پڑے سات درہم۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عرش کے مقابلے میں کرسی کی حیثیت بیاباں میں پڑی لوہے کی انگوٹھی کی سی ہے۔''

اب آپ اس عظیم شان وشوکت کا تصور کریں اور آپ جو اس کائنات کے مقابلے میں خوردبینی اجزاء کی مانند ہیں، کیسے کون ومکان کے احاطے کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟ جب کہ تمام مقامات راور تمام جہان

اللہ تعالیٰ کے اس عرش کے مقابلے میں خوردبینی اشیاء ہیں، جو محض خدائی ارادے اور احکامات کی تنفیذ کا محل ہے۔ کیا یہ فضول کام میں مشغول ہونے کے مترادف نہیں؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا احاطہ کرنے کی سعی و کاوش کی فضولیت کا آپ اس سے اندازہ لگا لیجیے کہ قرآن کریم میں مذکور ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (سورۃ الانعام: ۱۰۳) ''وہ ایسا ہے کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں، جب کہ وہ نگاہوں کا ادراک کر لیتا ہے۔'' دیکھنے کے لیے احاطہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے لیکن بصارت اور آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔ اس معاملے کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے اس امر کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

ایک اور پہلو سے دیکھیں تو نور اللہ تعالیٰ کا حجاب اور پردہ ہے اور ہم تو نور کا ہی احاطہ نہیں کرسکتے۔ نبی اکرم ﷺ کے معراج سے لوٹنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا: ''کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟'' حضرت ابوذرؓ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے جواب دیا: ''اللہ تو نور ہے۔ میں کیسے اسے دیکھ سکتا ہوں۔'' اور ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے نور دیکھا تھا۔ جب کہ نور مخلوق ہے''۔ اللہ نے اسے روشنی اور سہارا دیا اور اسے شکل وصورت بخشی۔ نور اللہ نہیں، بلکہ اس کی مخلوق ہے۔ اسی امر کی وضاحت اللہ تعالیٰ سے متعلق ایک حدیث مبارک میں یوں آئی ہے: ''اس (اللہ کا) پردہ نور ہے۔'' یعنی اللہ اور تمہارے درمیان ایک نور ہے اور تمہیں نور کے ذریعے گھیرا گیا ہے۔ یہاں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ اس کی صفات کے ذریعے کیا گیا ہے، جو اس کا عین ہیں اور نہ غیر۔

جب ہم الوہیت سے متعلق مسائل پر گفتگو کرتے ہیں تو اس کی پیچیدگی اور مشکل ناقابل برداشت حد تک بڑھ جاتی ہے اور بطور نتیجہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کرسکتیں اور اس کا پردہ نور ہے۔ اب ہم اس موضوع پر ایک تیسرے پہلو سے روشنی ڈالتے ہیں۔ شاعر صوفی ابراہیم حقی لکھتے ہیں: ''میرے رب کا کوئی ہم رتبہ ہے اور نہ ہی مقابل۔ وہ ہر مثیل اور شبیہ سے پاک ہے۔ وہ صورت سے بھی پاک ہے - وہ بہت مقدس اور بہت بلند ہے۔''

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مقابل نہیں ہے۔ یہ انتہائی اہم بات ہے، کیونکہ کسی بھی چیز کے قابل مشاہدہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا کوئی مقابل ہو۔ ہم روشنی کا مشاہدہ اس لیے کرتے ہیں کہ اس کا مقابل اندھیرے کی صورت میں پایا جاتا ہے، ایسے ہی آپ کسی لمبی چیز کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک میٹر ہے اور یہ تین میٹر، کیونکہ ان کی اضداد موجود ہیں، جن کی وجہ سے انہیں ترتیب دینا ممکن ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس نور کی مانند نہیں ہے، جسے ہم اس کے مقابل اندھیرے کی وجہ سے دیکھ سکتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مقابل ہے اور نہ ہی کوئی ہم رتبہ۔

اس موضوع کو طبعیات کے پہلو سے دیکھیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اس وسیع وعریض کائنات کی کتنی فیصد اشیاء کو دیکھ سکتا ہے؟ کیا آپ اپنے مشاہدے میں آنے والی اشیاء کا تناسب بتا سکتے ہیں تاکہ ہم اللہ کی عظمت کا مشاہدہ کر کے اس کے احترام اور عزت کو پہچان سکیں؟ فرض کریں کائنات میں موجود چیزوں کی تعداد کھربوں میں ہے، مگر ہماری آنکھ تو دس لاکھ میں سے صرف چند چیزوں کا مشاہدہ کر سکتی ہے۔ باقی چیزوں کو ہم دیکھتے ہیں اور نہ جانتے ہیں۔ ہم تو روشنی کی صرف خاص قسم کے طول موج اور ارتعاش والی شعاعوں کو دیکھ پاتے ہیں۔ آپ ذرا اُن لوگوں کے اس سوال کے لغو پن کی انتہا دیکھیں، جو پوچھتے ہیں کہ ہم اللہ کو کیوں نہیں دیکھ پاتے؟ حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ کائنات کی دس لاکھ چیزوں میں سے صرف پانچ کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، مزید ستم یہ کہ وہ بالکل سطحی سوچ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو بھی عام اشیاء پر قیاس کرتے ہیں۔

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کو وہی شخص دیکھ سکے گا، جس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کیا ہوگا، لہٰذا موسیٰ علیہ السلام اور سرتاج انبیاء حضرت محمد ﷺ اُس دن اللہ کا دیدار فرمائیں گے۔ باقی لوگ بھی اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے اللہ کو دیکھیں گے۔ یہ غور وفکر کی پرزور دعوت وترغیب ہے۔ جو لوگ آخرت میں بلند مراتب پر فائز ہونا چاہتے ہیں، انہیں اپنے دل اور فکر کی تجدید کرنی چاہیے۔ زیادہ درست لفظوں میں وہ دنیا میں اس قدر بلند حوصلہ، روح اور فکر والے بن جائیں کہ قیامت کے دن انہیں اللہ کا دیدار نصیب ہو سکے، یعنی دنیا سے کچھ نہ کچھ توشۂ آخرت لے جائیں۔ ہر کوئی اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ زادِ راہ لے کر جائے۔ صوفی شاعر ابراہیم حقی ایک ضعیف حدیث جسے موضوع حدیث بھی کہا گیا ہے، کو درج ذیل اشعار کی صورت میں پیش کرتے ہیں:

قال الحق: أنا كنز لم يسعني

لا الأرض...... ولا السماء

ولكن وسعني القلب......

''حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں ایسا خزانہ ہوں، جس کی وسعت کا احاطہ زمین کر سکی اور نہ آسماں، لیکن (مؤمن) کے دل نے مجھے اپنے اندر سما لیا ہے۔''

تاہم جس بابرکت ذات کے عظمت کے مقابلے میں ساری کائنات ایک ذرے کے برابر بھی نہیں، اس کا کتنا بڑا انعام واحسان ہے کہ وہ مؤمن کے دل میں ایک خزانے کی مانند جلوہ گر ہو کر اسے اطمینان اور سکون بخشتی ہے۔ واللہ اعلم

ہمارا دینی تناظر ثاقب اکبر

اتحاد بین المسالک (۲)

دیوبندی علماء کا موقف

دیگر مسالک کے علماء کی طرح ہم نے اتحاد بین المسلمین کے حوالے سے اہل سنت دیوبند مسلک کے علماء کے افکار بھی معلوم کیے۔اس سلسلے میں مفتی غلام الرحمٰن کا کہنا تھا:

'معروضی حالات ، ذہنی سطح اور عقل وفکر کے تفاوت کی وجہ سے علمی اختلافات ناگزیر ہیں لیکن یہ اختلافات اختلافِ رائے کی حد تک ہونے چاہئیں۔ اسے باہمی افتراق وانتشار،نزاع اور جھگڑوں کا ذریعہ بنانا دانشمندی نہیں۔ ہر شخص کو اظہارِ رائے کا حق حاصل ہے۔اس لیے اگر کوئی اختلاف کرے تو جذباتی رنگ سے اُس کو رد نہ کیا جائے۔ جذباتیت کی بجائے سنجیدگی،معقولیت اور دلائل کی روشنی میں افہام و تفہیم ہونا چاہیے تاکہ خیر کی بجائے شر اور فائدہ کی بجائے نقصان نہ ہو۔'

مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے حوالے سے علمائے کرام اس امر میں واضح ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ سب مسلمان اختلاف رائے ختم کر کے ایک ہو جائیں کیونکہ سب جانتے ہیں کہ ایسا ہونا ممکن نہیں جیسا کہ مفتی غلام الرحمٰن کی مذکورہ بالا گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا محمد خان شیرانی بھی اسی امر پر زور دیتے ہوئے برداشت اور ہم آہنگی کا راستہ تجویز کرتے ہیں:

'مسلمانوں کے مختلف مسالک کے مابین اتحاد کا اگر معنی یہ ہے کہ فکر اور عمل دونوں میں یکسانیت آجائے تو یہ ممکن نہیں۔ ہر ایک اپنی رائے اور مسلک پر قائم ہوتے ہوئے اُسے حرف آخر نہ سمجھے اور دوسروں سے اسے لڑائی کا باعث نہ گردانے تو یہ صحیح ہے۔'

مسلمانوں میں اتحاد اور قربت پیدا کرنے کے لیے بعض دردمندوں کے نزدیک ایک راستہ یہ ہے کہ دینی مدارس کی فضا اور نصاب اس طرح سے بنایا جائے کہ ہر مدرسے میں دیگر مسالک کے افراد بھی داخلہ لے سکیں۔مولانا انوار الحق نے اپنے مدرسے دارالعلوم حقانیہ،اکوڑہ خٹک کی پالیسی بیان کرتے ہوئے کہا:

'اگر کوئی بریلوی نظریات کا حامل طالب علم آئے تو ہم اُسے ضرور داخلہ دیں گے۔کئی بریلوی خاندانوں کے بچے ہمارے ہاں پڑھتے ہیں۔ جماعت اسلامی کے ضلعی امیر کا بیٹا بھی ہمارے ہاں زیر تعلیم ہے۔ مولانا نورالحق قادری کا بیٹا اور بھائی بھی

ہمارے پاس زیرِ تعلیم رہے ہیں۔'
مولانا انوار الحق نے مزید کہا:

''ایک اور بریلوی عالم دین ہیں، جن کی حیات آباد میں بہت بڑی مسجد ہے اور اُن کا ایک مدرسہ بھی ہے، اُن کا بیٹا بھی ہمارے پاس زیرِ تعلیم رہا ہے۔ ہمارے ہاں داخلے میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے جس مرضی مسلک کا طالب علم آنا چاہے، آ جائے۔'

اس موقع پر مولانا راشد الحق نے، جو دارالعلوم حقانیہ میں مدرس ہیں اور مولانا سمیع الحق کے صاحبزادے ہیں، اضافہ کرتے ہوئے کہا:

'بے شک کوئی اہل تشیع ہو، ہماری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔'

ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں پھر ایک ایسے نصاب کی ضرورت پر بات ہوگی کہ جو تمام مسالک کے مابین مشترک ہو یا پھر تمام مسالک کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ البتہ سب سے اہم بات ایسی فضا کا پیدا کیا جانا ہے کہ جس میں تمام مسالک کے طلبہ کے لیے اپنائیت موجود ہو۔ اس سلسلے میں اپنے مدرسے کی مثال دیتے ہوئے مولانا انور الحق نے کہا:

'ہمارے درس میں بھی کسی مسلک کے خلاف کوئی بات نہیں ہوتی۔ میں ۴۶ سال سے پڑھا رہا ہوں۔ کبھی اس کا تصور بھی نہیں کہ میں اہل تشیع کے خلاف بات کروں۔'

جب ہم نے یہ کہا کہ ایک تاثر یہ ہے کہ ہر مسلک کے مدرسے میں دیگر مسالک کے خلاف ذہن تیار کیے جاتے ہیں تو مولانا راشد الحق نے کہا:

'پروپیگنڈا ہے کہ دینی مدارس میں طلبہ کے ایک دوسرے کے خلاف ذہن بھرے جاتے ہیں۔'

البتہ مدارس میں جہاد کی تعلیم دیے جانے کے موضوع پر بات چلی تو مولانا انوار الحق نے اس موقع پر ایک جملے کا اضافہ کیا:

'رہی بات جہاد کی تو وہ اسلام کا جز ہے اور اس کے بارے میں قرآنی آیات ہیں وہ تو استاد بیان کرے گا۔'

شیعہ علماء کا موقف

اتحاد بین المسلمین کے حوالے سے شیعوں نے بہت کچھ لکھا ہے یہاں تک کہ اس موضوع پر اُن کی بہت سی مستقل اور الگ تصنیفات موجود ہیں۔ گزشتہ چند دہائیوں میں اس موضوع پر اُن کے ہاں زیادہ کام

دکھائی دیتا ہے۔ ہم یہاں پر کچھ عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

سید ابن حسن نجفی کہتے ہیں:

'مانی ہوئی بات ہے جب تک مسلمانوں میں ایکا نہیں ہوگا اس وقت تک نہ تو ان میں صحنِ عالم کو توحید کے نظیرے سے سجانے کی سکت پیدا ہوگی اور نہ وہ کُنتُمْ خَیرَ اُمَّةٍ اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ (۳۱) (دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو، جسے انسانوں کی ہدایت کے لیے لایا گیا ہے) کے معیار پر پورے اتریں گے!

قرآن حکیم نے دینِ حق سے وابستگی رکھنے والوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آپس میں گھل مل کر رہنے کی عادت اور متفقہ حکمت عملی اختیار کرنے کی خُو اپنائیں اور اس کے ساتھ ہی اسلام سے پہلے کے دور کی جانب توجہ دلاتے ہوئے اس نعمتِ عظمیٰ کی یاددہانی کروائی ہے جو ٹوٹے ہوئے رشتوں کے جڑنے اور اَنمل دلوں کے ملنے سے حاصل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۳۲)

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقے میں نہ پڑو! اور اس نعمتِ عظمیٰ کو یاد کرتے رہو جو تم پر اللہ نے کی ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دل ملا دیے اور اس کی مہربانی سے تم سب بھائی بھائی بن گئے۔ تم دہکتی ہوئی آگ کی بھٹی کے دہانے پر کھڑے تھے۔ اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچا لیا۔ اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی نشانیاں روشن کرتا ہے، تاکہ تمھیں سیدھی راہ نظر آ جائے۔

اب اس کے باوجود جو لوگ خود کو مسلمان کہلوانا ضروری سمجھتے ہیں، لیکن اسلام کے نظام اجتماعی کے لیے جو فلسفہ متعارف کروایا گیا ہے، اسے خاطر میں لانے کے لیے تیار نہیں ہیں، کتاب الٰہی ان سے یوں خطاب کرتی ہے:

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۳۳)

کہیں! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو تفرقے کا شکار ہو گئے اور واضح ہدایات کے

ہوتے ہوئے بھی، اختلافات میں پھنس کر رہ گئے۔ جنھوں نے یہ رویہ اختیار کیا وہ بڑی سخت سزا پائیں گے۔

جس دستورِ حیات میں تفریق تقسیم سے بچنے پر اتنا زور دیا گیا ہو اور اتحاد و اخوت کے بارے میں اس درجہ شرح و تفصیل پائی جائے، اس کے وفاداروں میں تو انتشار، پراگندگی اور افراتفری کا نام ونشان تک نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مگر صاحب! جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے کہ بات بات پر قرآن اٹھانے والوں میں اختلاف، آویزش اور تصادم کے سوا اور کچھ نظر ہی نہیں آتا!

خاص طور پر مختلف مکاتب فکر اور مسالک فقہ کے حوالے سے تو یہ قوم ہمہ جاں زخم و ہمہ تن جراحت بنی ہوئی ہے اور اس وجہ سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اسلام جو ایک رواں دواں، آفاق گیر، انقلابی نظام فکر و عمل تھا، اس کی باڑھ رک گئی، وہ دلدل میں پھنس کر رہ گیا، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ سیاسی اور معاشی قزاقوں نے اسے ایسا لوٹا کہ حلیہ تک بگاڑ ڈالا۔

مقابلے اور بناوٹ، کاٹ، چھانٹ اور آپس کی ضدم ضدا سے جو عنوان ابھرے ہیں، ان میں شیعہ سنی مسئلہ سرفہرست رہا اور ہے۔ تاریخ سے پوچھیے! اس نام پر دھرتی نے کتنا خون پیا ہے۔ فضا میں کتنی آہیں بکھری ہیں اور اوپر سے کیا کیا آفتیں نازل ہوئی ہیں؟ نیز آج بھی، اس روشن دور میں، ہاں! ہاں! تسخیر ماہ و انجم کے عہد میں جو صورت واقع ہے وہ زبانِ حال سے کہہ رہی ہے: کلمہ گو یو! کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟ (۳۴)

اس موضوع پر بات کرتے ہوئے حافظ ریاض حسین نجفی نے کہا:

''مذکورہ امتیازات کے باوصف ہم سمجھتے ہیں کہ جو بھی کلمہ گو ہے وہ مسلمان ہے۔ اس کی جان، مال اور عزت محفوظ ہے۔ کسی کلمہ گو کے بارے میں ہمارا ذہن کہتا ہو کہ یہ اندر سے منافقت کر رہا ہے ہمیں تب بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُسے مسلمان سمجھیں۔

جہاں تک چار مذاہب فقہ کا تعلق ہے ان میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ تو خود کہا کرتے تھے کہ میں امام جعفر صادقؒ کا شاگرد ہوں۔ اسی طرح حضرت امام مالکؒ کا حضرت امام جعفر صادقؒ کے ساتھ آنا جانا تھا۔ امام جعفر صادقؒ بھی ان سے پیار کرتے تھے۔ یہ آئمہ بھی اسلام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اسلامی احکام بیان کرتے ہیں۔ ان میں اور فقہ جعفری میں ہم آہنگی کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ قاضی نور اللہ شوشتری کو برصغیر کی پوری مملکت اسلامیہ کا چیف جسٹس بنایا گیا تھا۔ وہ شیعہ تھے۔ وہ جو بھی فیصلہ دیتے وہ اہل سنت کے چار مذاہب فقہ میں سے کسی ایک کے فتویٰ کے مطابق ہوتا اور وہ فقہ جعفری کے مطابق بھی ہوتا تھا۔ ہم ان چاروں مذاہب کے ماننے والوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور یہ واقعی مسلمان ہیں۔ ان سے

ہمارے فروعی اختلافات ایسے ہی ہیں جیسے آپس میں ان کے درمیان فروعی اختلافات ہیں۔

ہم مسلمانوں کے مابین اتحاد، محبت اور یگانگت پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم تو غیر مسلموں کے ساتھ بھی رواداری ضروری سمجھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ انسان کی انسان کی حیثیت سے عزت وتکریم ہونی چاہیے، مسلمان تو بہر حال مسلمان ہیں جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور حدیث کہتی ہے کہ مسلم مسلم کا بھائی ہے۔

پہلے دور میں تمام مکاتب فکر کے علماء آپس میں ملتے جلتے تھے۔ اب میل ملاقات کا یہ سلسلہ کم ہو گیا ہے۔ اسے بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے کی کتابوں کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ ذمہ دار علماء کی کتب کو پڑھنا چاہیے۔ ایک دوسرے کے فقہی مسلک اور ادلہ کو جاننا چاہیے۔ انھیں سامنے رکھ کر بات چیت کرنی چاہیے۔ ہم دیکھیں گے کہ بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔ اس طرح اشتراک وہم آہنگی کی فضا قائم ہوگی۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ تعصب کی ایسی فضا پیدا ہو چکی ہے کہ ایک دوسرے کی مساجد میں نماز پڑھنا مشکل ہو گیا ہے۔ پہلے ایسا نہیں تھا۔ ایک مرتبہ میں مسلم کالونی لاہور میں اہل سنت کی ایک مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ میں نماز میں مشغول ہو گیا تو وہاں کے عالم دین نے میرا جوتا اٹھا کر ایک دیوار کے ساتھ رکھ دیا۔ جب میں نماز ختم کر چکا تو انھوں نے کہا معاف کیجیے گا میں نے آپ کا جوتا اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا تھا اور اب اس لیے آیا ہوں کہ کہیں آپ تلاش نہ کرتے رہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے اس قدر ایک دوسرے کا احساس تھا۔ اس احساس کو پھر زندہ کرنے اور تعصب کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ ائمہ مساجد کو چاہیے اپنے خطبوں میں دوسرے مسالک کے لوگوں کو اپنی مساجد میں آنے اور آزادی سے اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھنے کی دعوت دیں''۔

اتحاد بین المسلمین کے حوالے سے مولانا افتخار حسین نقوی کہتے ہیں:

''امور عملی میں کچھ فروعی اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے مابین بیشتر امور میں اتفاق رائے ہے۔ یہ اتفاق معاملات اور معاشرتی وسماجی امور میں تو بہت زیادہ ہے مثلاً سود، شراب اور زنا کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ عبادی امور میں بھی نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ کے وجوب پر سب کا اتفاق ہے۔ عقائد میں بھی بنیادی امور پر اتفاق ہے۔ قرآن حکیم پر سب کا اتفاق ہے۔ کعبۃ اللہ کا سب احترام کرتے ہیں۔ جہاں تک فروعی اختلافی امور کا تعلق ہے چاہے وہ عقیدتی امور ہوں یا دیگر یہ اختلاف خود اہل سنت کے مختلف مسالک میں بھی موجود ہیں، شاید مجموعی طور پر ہمارے اختلافات خود اہل سنت کے باہمی سے کم ہوں۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مابین اتحاد ووحدت کا قیام اور اس کا باقی رہنا بہت ضروری ہے۔ البتہ اتحاد سے مراد ہمارے مرحوم قائد مفتی جعفر حسین کے بقول انضمام نہیں ہے چونکہ استنباط اور فہم کا اختلاف فطری بھی ہے۔ مسلمانوں کے مابین محبت رسولؐ، محبت آل رسولؐ، احترام صحابہ کرامؓ اور احترام

ازواج پیغمبرؐ کی بنیاد پر قربت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر مسلک کے علمائے کرام کو دوسرے مسلک کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ امت کی وحدت ہی سے حضور ختمی مرتبتؐ کا قلب مبارک بھی خوش ہوگا اور رضائے الٰہی بھی اس میں مضمر ہے۔ بازار میں شیعہ اور سنی اکٹھے بیٹھے ہوتے ہیں، کوئی مر جائے تو اکٹھے جاتے ہیں، شادی بیاہ وغیرہ پر بھی اکٹھے ہوتے ہیں لیکن جب مسجد کی بات ہوتی ہے اور اذان ہوتی ہے تو اس میں تقسیم دکھائی دیتی ہے۔ یہ شیعہ کی مسجد ہے، یہ بریلوی کی مسجد ہے اور یہ دیوبندی کی مسجد ہے۔ اللہ کی مسجد تو کوئی رہی نہیں۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسجد مسلمان کی ہو جب بازار میں اکٹھے بیٹھے ہیں تو مسجد میں کیوں نہیں اکٹھے ہو جاتے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے مسلک والے کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کی نماز کا ثواب کئی گنا ہو جاتا ہے۔ اسی اتحاد کے حصول کے لیے امام خمینی نے ایرانیوں اور اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ مکہ مکرمہ حج کے لیے جائیں تو حرم میں باجماعت نماز میں شریک ہوں اور الگ اپنی قیام گاہ یا کسی اور جگہ پر نماز باجماعت ادا نہ کریں۔ اختلافات زیادہ تر دوسرے اور تیسرے درجے کے خطیب اور مولوی صاحبان پیدا کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے انہی کا عوام سے رابطہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔

جہاں تک خلافت کے مسئلے پر اختلاف کا تعلق ہے تو میں کہتا ہوں کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ ہمیں حقائق سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی حکومت حضرت ابوبکرؓ، ان کے بعد حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ رہی۔ ان کے بعد لوگوں نے جمع ہو کر حضرت علیؓ کو حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے پر آمادہ کیا۔ حضرت علیؓ کے بقول لوگ بیعت کے لیے اس طرح سے ٹوٹے پڑتے تھے کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں حسنؓ و حسینؓ کچلے نہ جائیں۔ مختصر یہ کہ اگر امت مسلمہ کی اکثریت ان خلفاء کو اپنا رہبر و رہنما مانتی ہے تو کسی کو ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے کسی کی دل آزاری ہو یا توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ خود حضرت علیؓ نے اختلاف رائے کے باوجود خلفائے ثلاثہ کا اسلام کے عظیم تر مفاد میں ساتھ دیا اور جب بھی ان میں سے کسی نے مشورہ طلب کیا تو آپ نے دریغ نہ کیا۔ حضرت علیؓ کے ماننے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی آپ کی پیروی کرتے ہوئے اسلام اور امت اسلامیہ کے عظیم تر مفاد میں سوچیں اور عمل کریں۔ امت کے اتحاد کے تقاضوں کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔ ہمیں حضرت علیؓ اور آل رسولؐ سے قدم آگے نہیں بڑھانا چاہیے۔

میڈیا

ڈاکٹر گوہر مشتاق ☆

میڈیا کا معاشرتی زہر
جدید نفسیات کی روشنی میں

سورہ النور میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنۡ يَّتَّبِعۡ خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ.(سورۂ النور: ۲۱)

(جو کوئی شیطان کی پیروی کرے گا تو وہ اسے فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا)۔

اس آیۂ مبارکہ میں شیطان کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ فحاشی کا درس دیتا ہے اور خدا کی نافرمانی کے کاموں پر اکساتا ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم میں کئی جگہ شیطان کے لیے ''ابلیس'' کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی ''خدا کی رحمت سے مایوس''۔ شیطان لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس کر کے بدی پر اُکساتا ہے۔ مزید برآں شیطان لوگوں میں دشمنی اور عداوت پیدا کرتا ہے (سورۂ المائدہ:۹۱) جب بندہ خدا کی رحمت سے مایوس ہو تو اس کا ایک ردعمل تشدد اور دوسروں پر ظلم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ماہر نفسیات جے براؤن اپنی کتاب 'Techniques of Persuasion' مطبوعہ لندن ۱۹۶۳ء) میں لکھتا ہے:

''نفسیاتی لحاظ سے جب بندہ اپنے حالات سے مایوس ہوتا ہے تو اُس میں غصہ اور تشدد (aggression) لازمی طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ایسا شخص تشدد کا نشانہ اپنی ذات کو بناتا ہے یا پھر اپنے ماحول میں سے کسی کو۔ مایوس شخص اپنے آپ سے بھی نفرت کرتا ہے اور اپنے اردگرد کے لوگوں سے بھی۔''

شیطان ہمیشہ انسان کی کمزوری دیکھ کر اُس پر وار کرتا ہے۔ شیطان انسان کو حالات سے مایوس کر کے تشدد پر ابھارتا ہے اور اُس کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کر کے فحاشی پر ابھارتا ہے۔ مشہور ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ (Freud) نے تو اپنے ''تحلیل نفسی'' طریقۂ علاج کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ انسان کی شخصیت کا تمام تر انحصار اُس کی لاشعوری جنسی اور جارحانہ تحریکات (Sexual and aggressive impulses) پر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے فرائڈ نے شیطان کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے ثابت کیا کہ وہ خود بھی شیطان کا پیروکار تھا۔

☆ پاکستانی دانشور مقیم امریکہ

اگر ہم غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ایک آنکھ والے دجال کے ایجنٹوں میں اور شیطان میں یہ قدر مشترک پائی جاتی ہے کہ دونوں انسانوں کو خدا کی رحمت سے مایوس کر کے تشدد پر ابھارتے ہیں اور لوگوں کو فحاشی کا درس دیتے ہیں۔ ٹی وی، کیبل، ڈش، نیٹ ورک اور انٹرنیٹ پر خبریں دنیا کی مایوس اور تاریک تصویر پیش کرتی ہیں۔ ڈراموں اور فلموں میں عشق معاشقے درسِ فحاشی دیتے ہیں۔ ڈراموں، فلموں، ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز میں تشدد دکھا کر لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے۔ آج حکومت کو مذہبی تشدد پسندی کی تو بہت فکر ہے لیکن ملک میں دن بدن جرائم کی شرح میں اضافہ، فحاشی کے ذریعے نوجوان لڑکیوں لڑکوں کے استحصال اور نوجوانوں میں تشدد پسندی کا بڑھتا ہوا رجحان دیکھ کر حکومت کے ماتھے پر بل نہیں پڑتا۔ اس کے اسباب کی کھوج انتہائی اہم ہے اور یہی اس مضمون کا موضوع ہے۔

میڈیا اور معاشرتی زہر

مشہور امریکی ماہر نفسیات ڈاکٹر جیمس گار بارینو کے مطابق میڈیا پر بچوں اور نوجوانوں کو جو کچھ دکھایا جاتا ہے اور جس طرح سے تشدد اور فحاشی کے مناظر اُن کے ذہن پر نقش کیے جاتے ہیں وہ ایک طرح کا ''معاشرتی زہر'' (Social Toxicity) ہے۔ ڈاکٹر گاربارینو کے مطابق یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کس طرح پچھلے چند سالوں میں ہمارے معاشرتی ماحول کا معیار گرا ہے۔ اس کے علاوہ یہ جاننا بھی اہم ہے کہ معاشرتی اور ثقافتی زہر کس طرح تیار کیے جاتے ہیں اور وہ کیسے بچوں کی معاشرتی زندگی کو زہر آلود کرتے ہیں۔ اِسی طرح امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی کے ماہرِ نفسیات لیورنارڈ ایرون (Leonard Eron) اور اس کے معاون سائنسدانوں نے میڈیا کے پُرتشدد مناظر کے اثرات کا کچھ بچوں پر اُن کے نوجوان ہونے کے عرصے تک معائنہ کیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ جس طرح کچھ لوگوں کو تمباکو نوشی سے کینسر ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اُسی طرح کچھ نوجوانوں پر میڈیا پر تشدد کے مناظر (Scenes of Violence) دیکھنے کے اثرات زیادہ زہر آلود ہوتے ہیں تاہم دونوں میں بلا واسطہ تعلق (Direct connection) موجود ہے۔ اِس بات کی تصدیق امریکن سائیکولوجیکل ایسوسی ایشن کے ماہرین کی تحقیق سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق جیسے تمباکو نوشی پھیپھڑوں کے سرطان کی واحد وجہ نہیں ہے اسی طرح ٹی وی بھی نوجوانوں میں جرائم کی واحد وجہ نہیں تاہم یہ سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مزید برآں پہلے سے معلوم کرنا کہ کون میڈیا کے غلیظ اثرات سے متاثر ہوگا ویسے ہی مشکل ہوتا ہے جیسے یہ معلوم کرنا کہ تمباکو نوشی کرنے والوں میں سے کون پھیپھڑوں کے سرطان کا شکار ہوگا۔

ٹی وی پروگراموں کا نفسیاتی تجزیہ

امریکن سائیکولوجیکل ایسوسی ایشن نے حال ہی میں امریکہ کے ٹی وی پروگراموں (پبلک چینل، کیبل، ڈش وغیرہ) میں پیش کیے جانے والے مواد کا تجزیہ کیا جس کے مطابق فلموں میں ۴۰ فی صد تشدد کی حرکات ہیرو کرتے ہیں۔ ایک تہائی سے زیادہ مرتبہ برے کرداروں (Villians) کو اپنے جرائم کی سزا نہیں ملتی اور ۷۰ فی صد سے زیادہ ظلم کرنے والے اپنے جرائم پر کسی قسم کی پشیمانی نہیں دکھاتے۔ (بحوالہ کتاب Lost Boys مطبوعہ نیویارک ۱۹۹۹ء) ڈاکٹر گاربارینو کے مطابق ٹی وی نے خبروں اور تفریحی پروگراموں کے ذریعے مایوسی کو پھیلانے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔ علاوہ بریں پچھلے ۴۰ سال کی تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے (جس میں ۱۹۷۲ء کی امریکہ کے سرجن جرنل کی رپورٹ بھی شامل ہے) کہ ٹی وی پر دکھائے جانے والے تشدد اور جرائم میں اور معاشرے میں بچوں بڑوں میں بڑھتی سنگدلی، درشتی اور بے ادبی میں واضح تعلق موجود ہے۔ (بحوالہ رسالہ Mother jones ۱۹۹۹ء)

اسی طرح ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں پرتعیش اندازِ زندگی دکھا کر اور اشتہارات میں بیش قیمت سامانِ زندگی خریدنے کی ترغیب دے کر عوام میں مایوسی اور اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے کا نفسیاتی ہیجان پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے عوام میں انانیت، خودغرضی اور نَفْسَا نَفْسِیُ کی ذہنیت پیدا ہوتی ہے۔

امریکہ کی کنساس سٹیٹ یونیورسٹی کے بچوں کے ماہرِ نفسیات ڈاکٹر جان مَرے (John Murray)، جنہوں نے بچوں پر ٹی وی کے اثرات کا ۳۰ سال تک مطالعہ کیا، بتایا کہ مشہور ٹی وی پروگرام سیسم سٹریٹ (Sesame Street) والوں نے ۱۹۶۰ء میں یہ جان لیا تھا کہ بچوں کو ٹی وی میں مشغول رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سکرین پر مناظر کو تیزی کے ساتھ بدلا جائے تاکہ بچے بور نہ ہونے پائیں۔ ایسے حالات میں بچوں کے لیے کتاب پر نظر مرتکز کرنا ممکن نہیں رہتا کیونکہ کتاب میں ویسی حرکت نہیں ہوتی۔ حدیث نبویؐ سے ہمیں پتہ چلتا ہے: ''اَلْعَاجِلَۃُ مِنَ الشَّیْطَان'' یعنی جلد بازی (تیز رفتاری) شیطان کی صفت ہے۔ سائنسی محققین یہ بھی جانتے ہیں کہ بچوں کو کھلونوں میں سب سے زیادہ پرکشش چیز ''تیز رفتاری'' لگتی ہے۔ دراصل جلد بازی انسان کی خامی ہے جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔ وَکَانَ الْاِنْسَانَ عَجُوْلًا o (سورہ بنی اسرائیل: آیت ۱۱) ''اور انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے''۔ ایک آنکھ والے دجال کے ایجنٹ انسان کی اِس خامی کا بھرپور استحصال کرتے ہیں۔ ٹی وی، ڈش نیٹ ورک، انٹرنیٹ ہائی سپیڈ، ویڈیو گیمز، کمپیوٹر گیمز وغیرہ میں سب سے پُرکشش چیز اُن کی تیز رفتاری ہوتی ہے۔

کمپیوٹر گیمز اور ویڈیو گیمز

الیکٹرونک گیمز (یعنی ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز) کی ۶.۳ بلین ڈالر کی مارکیٹ اپنی آمدنی کے لحاظ سے اور ثقافتی اثرات کے لحاظ سے ہالی وڈ فلم انڈسٹری کو بھی عنقریب مات کرنے والی ہے۔امریکہ کی آئی ڈی ایس اے(Interactive Digital Software Association) کے ایک بڑے عہدے دار ڈگ لونسٹین (Doug Lwenstein) نے بتایا ہے کہ ''الیکٹرونک گیمز کی صنعت فلمی صنعت سے دوگنی رفتار میں بڑھ رہی ہے اور کتابوں یا ریکارڈنگ (گانے بجانے) کی صنعت سے چارگنی رفتار سے بڑھ رہی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہم عوام کو انتہائی متحرک کرنے والی اور چیلنج سے بھرپور تفریح مہیا کرتے ہیں۔''

مغربی مفکر جیری مینڈر(jerry Mander) کے مطابق ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز دراصل ایک پوری نسل کے ٹی وی دیکھنے کے عمل کا مرہونِ منت ہیں۔اب تو کمپیوٹر گیمز اپنی تیز رفتاری اور تین جہتوں میں حرکت کی آزادی(Freedom of movement in 3-D) کی وجہ سے ویڈیو گیمز کو بھی مات کر گئی ہیں۔اب تو سونی، ننٹینڈو (nintendo)اور سیگا (Sega) کے ویڈیو گیمز یونٹ بچوں اور نوجوانوں میں اتنے مقبول نہیں رہے جتنی "PC Games" پسند کی جاتی ہیں مثلاً "Doom and Quake", "Quake III Arena", "Myst" "Kingpin" وغیرہ۔ اور والدین بھی انتہائی بھولپن سے دجال کے یہ ایجنٹ بچوں کے لیے خریدتے ہیں تاکہ اُن کے بچے اپنے ماں باپ کو ''تنگ'' نہ کریں اور کسی چیز میں مصروف رہیں۔ ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز فی الحقیقت ٹی وی سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہیں کیونکہ انہیں کھیلنے والا اُن میں Actively شامل ہوتا ہے۔ یہ ہمارے اعصابی نظام کو اس طرح متحرک کرتی ہیں کہ ہمارا دماغ کمپیوٹر پروگرام کے انداز میں کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ہمارا ارتقاء جو کئی صدیوں سے خدا کے پیدا کیے ہوئے فطری ماحول میں ہو رہا تھا اب انسان کی پیدا کی ہوئی ناقص تخلیقات کے ساتھ ہوتا ہے جو فطرتِ انسانی کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔

عوام کو بے حس کرنے میں میڈیا کا کردار

جس دور میں ٹی وی گھر گھر عام ہونا شروع ہوا (ابھی کمپیوٹر عوام تک نہیں پہنچا تھا) اُس وقت امریکی مفکر مارشل میکلوہن(Marshal Mc Luhan) نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ ہر قسم کی ٹیکنالوجی بالخصوص میڈیا میں بے حس کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور اس کے اثرات منشیات کی طرح ہوتے ہیں۔ ماہر نفسیات جیمس گاباریبنو کے مطابق جب ٹی وی، انٹرنیٹ، ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز کے ذریعے انسانیت کی

تحقیر (Depersonalization) اور بے حس بنانے کا عمل (Desensitization) ہوتا ہے تو سوسائٹی میں تشدد اور جرائم کے بہت سے دروازے کھل جاتے ہیں۔ کنساس سٹیٹ یونیورسٹی کے ماہرِ نفسیات اور سائنسدان ڈاکٹر جان مرے نے دماغ کی تصاویر لینے والے آلات (MRI) کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ جب ۹ سے ۱۲ سال کے بچے ٹی وی پر تشدد اور جرائم والی فلمیں دیکھتے ہیں تو اُن کے دماغ کے وہ حصے متحرک ہوتے ہیں جن کا تعلق لڑنے جھگڑنے (Fight or Flight) سے ہوتا ہے۔ مزید برآں اُن کے دماغوں کے یاداشت اور سیکھنے کے حصے بھی متحرک ہوتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ ایسے مناظر اُن کی شخصیت کا حصہ بن جاتے ہیں۔

کمپیوٹر اور ویڈیو گیمز کی ایک اہم قسم پوائنٹ اینڈ شوٹ (point and shoot) گیمز ہیں۔ ان میں کھیلنے والا اسکرین پر نشانہ باندھ کر مخالف کو گولی مارتا ہے۔ محقق پال کیگن (paul Keegan) رسالہ مدر جونز (Mother Jones) کے ۱۹۹۹ء کے شمارے میں رقم طراز ہے کہ حالیہ Time / CNN کے پول کے مطابق ۱۳ سے ۱۷ سال کے بچے جو ویڈیو گیمز کھیلتے ہیں اُن میں سے ۵۰ فیصد نے پوائنٹ اینڈ شوٹ قسم کی گیمز کھیلی ہوتی ہیں۔ Point and Shoot کمپیوٹر گیمز میں انسانوں پر نشانہ بازی کی جاتی ہے اور اِن کی آمد کے بعد سوسائٹی میں بے رحمی، بے حسی اور جرائم کی شرح بڑھی ہے۔ کیونکہ نفسیاتی طور پر انسانی جان کو اُن گیمز میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ Kingpin ایک مشہور کمپیوٹر گیم ہے جس میں کھیلنے والے کو مجرموں کے علاقے میں لے جایا جاتا ہے۔ وہاں پر مخالفوں سے گالیوں اور غلیظ زبان کا تبادلہ ہوتا ہے اور اپنے پسند کے ہتھیاروں سے مخالف کو قتل کرنا یا زخمی کرنا شامل ہوتا ہے اور مخالف کے جسم کے مختلف حصوں کے رستے ہوئے زخم بھی دکھائے جاتے ہیں۔

دراصل یہ معاملہ معاشرے کو رفتہ رفتہ بے حس بنانے (Desensitization) کا ہے۔ امریکی فوج کے ماہرِ نفسیات ڈیوڈ گراس مین کے مطابق دوسری جنگِ عظیم تک امریکی فوجیوں کی ۸۰ فیصد تعداد کے لیے یہ مشکل تھا کہ کسی انسان کو نشانہ بنا کر اُس پر گولی چلائیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُنہیں روایتی طریقے سے ٹارگٹ (Bull's Eye) پر نشانہ بازی کی پریکٹس کروائی جاتی تھی۔ اس کے بعد انہیں ایسی ٹریننگ کروائی گئی جس کے نتیجے میں وہ فوجی امریکہ کی ویت نام سے جنگ تک اتنے بے حس ہو چکے تھے کہ وہ دشمن پر آسانی سے گولی چلا دیتے تھے۔ فوجیوں کو تو کچھ ڈسپلن بھی سکھایا جاتا ہے اور وہ اپنے افسران اعلیٰ کی ہدایت پر کام کرتے ہیں لیکن عام پبلک کو تو ڈسپلن کی ایسی کوئی ٹریننگ بھی نہیں دی جاتی۔ وہ اپنے اوپر کیسے ضبط کریں گے۔

۱۹۹۹ء میں امریکی ریاست کولوریڈو کے قصبے لٹل ٹن (Littleton) میں دو طالب علموں نے کولمبائن ہائی سکول میں فائرنگ کر کے کئی معصوم بچوں اور اساتذہ کو قتل کر دیا تھا اور پھر خودکشی کر لی۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ ایرک ہارس (Eric Harris) اور ڈائیلین کلیبولڈ (Dylen Klebold) نامی دونوں لڑکے ایسی ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز کے انتہائی شوقین تھے جن میں بندوں پر نشانہ باندھا جاتا ہے۔ اُن پوائنٹ اینڈ شوٹ گیمز میں سے وہ بالخصوص "Doom and Quake" نامی گیم کے شوقین تھے۔ ایرک نے تو اُس گیم میں اپنی ویب سائٹ پر کچھ ترامیم بھی کی تھیں جن کے مطابق اُس کمپیوٹر گیم میں مدِ مقابل جوابی فائر نہیں کر سکتا تھا۔ ایرک اور ڈائیلین نے لازمی طور پر اُسی گیم کے منظر کو اپنے سکول کے معصوم طالب علموں پر دہرا دیا۔

اسی طرح امریکی ریاست کنٹکی (Kentucky) کے شہر پیڈوکا (Paducah) میں ۱۹۹۷ء میں ۱۴ سالہ مائیکل کارنیل (Michael Carneal) نے اپنے اسکول میں جبکہ صبح دعا ہو رہی تھی، فائرنگ کر کے آٹھ بے گناہ بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ پستول اُس نے ہمسایوں کے گھر سے چوری کی تھی۔ تفصیلات کے مطابق مائیکل کے باپ نے اُسے گھر میں کھیلنے کے لیے جارحانہ قسم کی ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز لا کر دی تھیں۔ مائیکل نے قتل کرنے سے پہلے پوری زندگی کبھی حقیقی پستول ہاتھ میں نہیں اٹھائی لیکن اُس نے الیکٹرونک پستول سے نشانہ بازی کرنے والی ویڈیو گیم پر ۳۰۰۰ گھنٹے کھیلا ضرور تھا۔ اس لیے جب اُس کے ہاتھ اصل پستول آئی تو مائیکل نے اِس مہارت سے حقیقی لوگوں پر گولی چلائی کہ اُس کی آٹھ چلائی جانے والی گولیوں میں سے ایک بھی خطا نہیں گئی۔ مائیکل نے آٹھ بچوں کا نشانہ لیا جن میں سے پانچ کو گولی سر پر لگی جبکہ تین کو اوپر کے دھڑ پر۔ امریکہ کے کئی نشانہ باز اُس بچے کے نشانے پر حیران رہ گئے جو اُس نے تشدد آمیز ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز سے سیکھا تھا۔ ان واقعات پر سابق امریکی صدر کلنٹن کی بیوی ہیلری کلنٹن نے کہا تھا: ''ہم کس قسم کی اقدار کو فروغ دے رہے ہیں جبکہ بچے ایسی ویڈیو گیمز کھیلتے ہیں جن میں جیتنے کا معیار یہ ہوتا ہے کہ کتنے بندوں کو قتل کیا گیا ہے یا کتنی جگہوں کو دھماکے سے اڑایا ہے۔'' یہ باتیں بتانے کا مقصد یہ ہے کہ کمپیوٹر اور ویڈیو گیمز کوئی بے ضرر تفریح نہیں ہیں۔ دجال کے تمام ایجنٹوں کی طرح یہ بھی بظاہر بے ضرر اور معصوم نظر آتی ہیں لیکن انسانی دماغ کا ستیاناس کر کے رکھ دیتی ہیں۔

خدا کی نافرمانی اور وقت کا ضیاع

ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں ایک طرف معاشقے اور اُن کے نت نئے طریقے دکھائے جاتے ہیں تو دوسری طرف قتل وغارت کے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز میں انسانوں کو کتے کی

طرح مار دیا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ پر جب لڑکے لڑکیاں عشق معاشقوں کی گفتگو (Chatting) کرتے ہیں تو وہ آنکھوں اور ہاتھوں کی بدکاری ہوتی ہے حالانکہ قرآن کے مطابق: ''زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔'' انٹرنیٹ پر ۴۰ فیصد سے زیادہ Download ہونے والے پروگراموں کا تعلق فحاشی (Pornography) سے ہوتا ہے۔ اسلام میں خدا کی نافرمانی کے مناظر دیکھنا بھی شرعاً منع ہے۔

جدید مائیکروسافٹ کمپیوٹر کے بانی بل گیٹس (Bill Gates) جس کا شمار دنیا کے امیر ترین لوگوں میں ہوتا ہے اور جسے اِس صدی کا قارون بھی کہا جا سکتا ہے، سے جب News week رسالے کے ایک انٹرویو میں پوچھا گیا کہ اس کا مذہب کے متعلق کیا خیال ہے تو اس نے جواب دیا: ''مذہب انسان کا وقت استعمال کرنے کا ایک غیر مؤثر طریقہ ہے۔'' (An inefficient way to spend your time)۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی میں انسان کا سب سے زیادہ وقت مذہب نے نہیں بلکہ کمپیوٹر نے ضائع کیا ہے۔ لوگ جب انٹرنیٹ پر بیٹھ کر کئی کئی گھنٹے Chatting کرتے ہیں تو انہیں وقت کی پرواہ نہیں ہوتی۔ وڈیو اور کمپیوٹر گیمز کھیلنے والے کھیل میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ پال کیگن کے بقول ''کھیل کے بعد گھڑی یہ بتاتی ہے کہ ایک گھنٹہ گزر چکا ہے لیکن اس کے سامنے بیٹھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ ابھی دس منٹ سے زیادہ وقت نہیں گزرا۔''

یہی حال ٹی وی کے سامنے بیٹھنے والوں کا ہوتا ہے۔

حل کیا ہے؟

شیطان اور ایک آنکھ والے دجال کے ایجنٹ انسانوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس کر کے تشدد پر ابھارتے ہیں اور فحاشی کا درس دیتے ہیں۔ اس کے برعکس قرآن ہمیں صبر وشکر سکھاتا ہے اور اللہ کے فضل کی امید دلاتا ہے: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ o (سورہ الزمر:۵۳) (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔) قرآن ہمیں درس دیتا ہے کہ ہم غربت (فقر) سے نہ ڈریں بلکہ فحاشی سے اور خدا کی نافرمانی سے ڈریں۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىo فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىo

(النّٰزِعٰت: ۴۱،۴۰)

(اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بُری خواہشات سے باز رکھا تھا، جنت اس کا ٹھکانا ہوگی۔)

ڈاکٹر جیمس گاربارینو اپنی کتاب "Lost Boys" (مطبوعہ نیویارک ۱۹۹۹ء) میں لکھتا ہے کہ والدین کو چاہیے وہ اپنے بچوں میں دوسرے لوگوں کے لیے مودّت اور رحمت کے جذبات پیدا کریں۔

(حدیث نبوی ہے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ. مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں)۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو میڈیا (ٹی وی، انٹرنیٹ، ڈش، فلمیں، ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز، پاپ میوزک ویڈیوز) میں پیش کیے جانے والے تشدد اور فحاشی سے بھرپور مناظر سے دور رکھیں۔ امریکہ کی یونیورسٹی آف ہوائی (university of Hawii) کے ماہرِ نفسیات انڈریو ویور (Andrew Weaver) کی تحقیق کے مطابق ماں باپ اپنے نوجوان بچوں کی تربیت کے دوران اُن میں مذہب سے روحانی وابستگی پیدا کریں تو نوجوانوں کو یہ تجربہ معاشرے اور جدید دور کے زہریلے اثرات سے بچاتا ہے۔

ماں باپ کا بچوں کے ساتھ گھلنا ملنا نہایت اہم ہے مثلاً صبح کا ناشتہ اور رات کا کھانا ایک دسترخوان پر کھانا۔ والدین کو چاہیے کہ بچوں کے سوالات کے جواب دیں۔ وگرنہ اگر وہ اپنے بچوں کو نظر انداز کریں تو اُس صورت میں بچوں کی شخصیت میں ایک طرح کا معاشرتی خلاء پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ٹی وی، کمپیوٹر یا ویڈیو گیمز میں جائے پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ والدین اپنے بچوں کو جو سب سے قیمتی چیز دے سکتے ہیں وہ وقت ہے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کے لیے صرف جسمانی لحاظ سے ہی نہیں بلکہ ذہنی لحاظ سے بھی موجود رہیں۔ کتنا ظلم ہے کہ ٹی وی کے دنیا کی مارکیٹ میں آنے کے ابتدائی زمانے میں تحقیق سے پتہ چلا تھا کہ لوگوں کی اکثریت ٹی وی خریدنے کی وجہ یہ بیان کرتی تھی کہ ٹی وی فیملی کو یکجا کرتا ہے حالانکہ ٹی وی فیملی کو یکجا نہیں بلکہ دور کرتا ہے۔ یہی حال دجال کے دوسرے ایجنٹوں کا ہے۔ گھر میں شام کے وقت ایک طرف خاندان کے بزرگ اور بچوں کی والدہ ٹی وی پر ڈرامہ دیکھ رہے ہیں تو بیٹے کمپیوٹر پر گیم کھیلنے میں مشغول ہیں۔ بیٹی واک مین (Walkman) پر گانے سُن رہی ہے تو والد صاحب انٹرنیٹ پر مصروف کار ہیں اور دنیا و مافیہا سے غافل۔ غرض خاندان کے افراد ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لیے اجنبی بنے ہوتے ہیں۔ گھر کے افراد میں گفتگو اور رابطہ (Active interaction) بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ یہ انسان کو اخلاق سکھاتا ہے، اُن میں انسانیت پیدا کرتا ہے بلکہ اُن میں ''دردِ دل'' پیدا کرتا ہے کیونکہ:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو\
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ وبیاں

تزکیۂ نفس

احمد جاوید

حبّ دُنیا

حکم ربانی

وَ مَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ. (العنکبوت: ۲۹، ۶۴)

'اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل تماشا ہے۔آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔کاش وہ اس حقیقت کو جانتے!'

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ٥ (فاطر: ۳۵: ۵)

'اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ قیامت برحق ہے، لہٰذا دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ وہ بڑا دھوکے باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا دینے پائے۔'

فرمان نبوی

'ماالدنیا فی الآخرة الامثل مایجعل احدکم اصبعه فی الیم، فلینظر بما یرجع؟' (صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب فناء الدنیا)

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسے ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبوئے تو پھر دیکھو کہ وہ کتنا پانی اپنے ساتھ لاتی ہے۔؟'

'عن ابی هریرةؓ قال: رأیت سبعین من اهل الصفة مامنهم رجل علیه رداء، اما ازار واما کساء قد ربطوا فی اعناقهم فمنها ما یبلغ نصف الساقین ومنها مایبلغ الکعبین، فیجمعه بیده کراهیه ان تری عورته.' (صحیح بخاری، کتاب المساجد، باب نوم الرجال فی المسجد)

'حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے ستر(۷۰) اصحابِ صفہ کو دیکھا ان میں کسی کے پاس جسم کے اوپر کا حصہ چھپانے کے لیے چادر نہیں تھی، کسی کے پاس نچلا دھڑ ڈھانکنے کے لیے ازار (تہ بند، دھوتی یا جامہ وغیرہ) ہوتی یا چادر جسے وہ اپنی گردنوں

میں باندھ لیتے وہ کپڑا کسی کی نصف پنڈلی تک پہنچتا اور کسی کے ٹخنوں تک، پس وہ اسے اپنے ہاتھ سے اکٹھا کر رکھتے کہ کہ کہیں ان کا قابل ستر حصہ عریاں نہ ہو جائے'۔

سوال: حبّ دنیا کیا ہے؟

جواب: حبّ دنیا یہ ہے کہ دنیا اس قدر مطلوب ہو جائے کہ آدمی اس کے حصول کا ہر ذریعہ، خواہ صحیح ہو یا غلط، اختیار کر لے اور اس بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی واضح ناراضی اور غضب کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ دنیا کی طلب اور محبت کا اللہ کی طلب اور محبت پر بداہتہً غالب آ جانا حبّ دنیا ہے۔

سوال: حبّ دنیا کا ضرر کیا ہے؟

جواب: حبّ دنیا نہ صرف یہ کہ تمام گناہوں کی جڑ ہے بلکہ اپنے شکار کو کفر، شرک اور جہنم تک پہنچا سکتی ہے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے متعدد ارشادات سے ثابت ہوتا ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَّفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○ (الحدید ۵۷: ۲۰)

'جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت (وآرائش) اور تمہارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (و خواہش) ہے۔ (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے بارش کہ (اس سے کھیتی اُگتی اور) کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے۔ پھر وہ خوب زور پر آتی ہے۔ پھر (اسے دیکھنے والے) تو اس کو دیکھتا ہے کہ یہ (پک کر) زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہوتی ہے اور آخرت میں (کافروں کے لیے) عذاب شدید اور (مومنوں کے لیے) خدا کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو متاع فریب ہے'۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

(یونس ۱۰: ۷،۸)

'جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اس پر مطمئن ہو

بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں' ان کا ٹھکانا ان (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے ہیں دوزخ ہے۔'

'**مرّ رسول الله ﷺ بشأة میتة قدالقاها اهلها فقال والذی نفسی بیده للدنیا اهون علی الله من هذه علی اهلها.** (جامع الترمذی، ابواب الزهد، باب ماجاء فی هوان الدنیا علی الله عزوجل)

'نبی کریم ﷺ ایک مری ہوئی بکری کے پاس سے گزرے جسے اس کے مالک نے باہر پھینک دیا تھا اور اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ کے نزدیک دنیا کی اتنی بھی اہمیت نہیں جتنی اس مری ہوئی بکری کی اس کے مالک کے نزدیک۔'

'**الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر.**' (صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب الدنیا سجن المؤمن)

'دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔'

سوال: حبّ دنیا کا علاج کیا ہے؟

جواب: نفس انسانی کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اپنے مطلوب باقی دیکھنا چاہتا ہے یعنی نفس کی طلب اور رغبت کا اصول یہ ہے کہ وہ اپنے مطلوب اور مرغوب سے علی الدوام واصل رہنا چاہتا ہے۔ اگر اس پر یہ بات عقلاً ہی نہیں تجربے اور مشاہدے سے بھی ثابت ہو جائے کہ یہ جس کی طلب میں سرگرداں ہے وہ خود بھی فانی ہے اور اس کو بھی فنا سے نہیں بچا سکتا تو اس صورت میں اس کی طلب و رغبت کا رخ بدل سکتا ہے اور یہ اصول کہ نفس کا سب سے بڑا مطلوب بقا اور دوام راحت ہے، ایسا بدیہی امر ہے کہ کوئی شخص اس کی دلیل طلب کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ دوسری طرف یہ بھی اتنی ہی حتمی اور یقینی بات ہے کہ دنیا اور دنیا کی راحتیں خود اس کے طالب کے ساتھ فنا ہو جانے والی ہیں۔ اس تجربی صداقت کا استحضار اور اس ایمانی حقیقت کی یاد دہانی کہ آخرت اور اس کی راحتیں نہ صرف یہ کہ خود باقی رہنے والی ہیں بلکہ اپنے طالب کی مطلوبہ بقا کا بھی سامان رکھتی ہیں، حبّ دنیا کی گرفت کمزور کرنے کی واحد اصولی تدبیر ہے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مرض اتنا گہرا اور پیچیدہ ہے کہ جب تک مریض خود اس سے نکلنے کی سرتوڑ کوشش، جسے اصطلاح میں مجاہدہ کہتے ہیں، نہیں کرے گا، پورا افاقہ نہیں ہو سکتا۔ اس مجاہدے کے اجزاء یہ ہیں:

۱- انفاق: جس کی شرعی تعریف یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد اللہ کی راہ میں خرچ کرو (البقرۃ ۲:۲۱۹)۔ شریعت نے 'ضرورت' کے بے لچک حدود مقرر نہیں فرمائے ہیں۔ ہم معالجے کی مصلحت سے یہ

تجویز کریں گے کہ بہت بنیادی ضروریات سے زیادہ مال واسباب کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا انفاق کا وہ درجہ ہے جس کا پسندیدہ ہونا تو شرعاً بھی ثابت ہے، تاہم حبّ دنیا کے علاج کے لیے اسے لازم سمجھنا چاہیے۔ انفاق کے اس درجے پر ایک ضابطہ اور بھی ملحوظ رکھنا چاہیے اور وہ یہ کہ ہر وہ زائد از ضرورت چیز فوری طور پر کسی مستحق کو دے دی جائے جس کی طرف نفس میں رغبت پائی جاتی ہو۔

۲- گھر میں دنیا کی باتیں نہ کرنا مثلاً اولاد سے اس طرح گفتگو کہ تمہیں ڈاکٹر بننا ہے یا انجینئر، مضر ہے بلکہ ان کے مستقبل پر اس طرح بات کرنی چاہیے کہ تمہیں ہر حال میں مسنون زندگی گزارنی ہے خواہ اس کا نتیجہ دنیاوی تنگی ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح آدمی کا فوری ماحول کم از کم اتنا بہتر ضرور ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے لیے دنیا کی محبت کا محرک نہ بنے۔ یہ ضابطہ رفتہ رفتہ دیگر تعلقات پر بھی عائد کرنا چاہیے۔

۳- موت کی یاد، قبر کا دھیان اور قبرستان میں عبرت کے حصول کے لیے آمد روفت۔

۴- دوستوں کی خبر گیری اور ان کی محبت بڑھانے کی تدابیر سوچنا۔ اس سے دو چیزیں میسر آئیں گی، جو حبّ دنیا کے علاج میں نہایت مفید ہیں۔ ایک ایثار اور دوسرے انکسار۔ رفتہ رفتہ خبر گیری کے اس دائرے کو وسعت دے کر عام مسلمانوں تک پہنچا دینا چاہیے۔

شمع جلتی رہے

البرہان محض ایک جریدہ نہیں ایک مشن ہے۔ اگر آپ کو اس کے مضامین سے دلچسپی ہے تو کوشش کیجیے کہ یہ شمع جلتی رہے اور یہ شمع تبھی جلتی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے۔ خود بھی البرہان کے خریدار بنئے اور دوسروں کو بھی بنائیے۔

زرِ اعانت سالانہ 400 روپے تاحیات 5000 روپے

نام.. پتہ..

.... فون..

چیک اور منی آرڈر بنام تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ A-71 فیصل ٹاؤن، لاہور بھجوائیے

ٹرسٹ کو دیے جانے والے عطیات ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں

عالم اسلام

ڈاکٹر محمد امین

ایران......موجودہ تعلیمی حالات کی ایک جھلک

جیسا کہ قارئین جانتے ہیں کہ ہماری دلچسپی کا ایک بنیادی موضوع تعلیم و تربیت ہے چنانچہ جب ہمیں پتہ چلا کہ تہران میں ایک بین الاقوامی تعلیمی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جس کا موضوع انسانی علوم کی اسلامائیزیشن (یعنی مغرب کے ترقی دیے گئے انسانی وعمرانی علوم کو قبول کرنے کی بجائے ان علوم کو اسلام کے مطابق ڈھالنے) کے حوالے سے ہو رہی ہے تو ہم نے بھی ایک تحقیقی مقالہ کانفرنس کے منتظمین کو بھجوا دیا جو مختلف مراحل سے ہوتا ہوا بالآخر منظور ہو گیا اور ہم ۷ امئی ۲۰۱۲ء کی شام کو ہفتے بھر کے لیے تہران پہنچ گئے۔ بالواسطہ طور پر ہمارا مقصد یہ بھی تھا کہ ایران کے تعلیمی نظام کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں اور یہ پتہ چلایا جائے کہ وہاں نظام تعلیم و تربیت کا کیا حال ہے اور اہل ایران نے اسلامی انقلاب کے نتیجے میں اپنے نظامِ تعلیم و تربیت کو عصری اسلامی ضرورتوں کے مطابق کیسے ڈھالا ہے؟

اور جیسا کہ قارئین جانتے ہیں کہ اس طرح کی کانفرنسوں کی رسمی کارروائیوں میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے اور آدمی لایعنی قسم کی انتظامی جکڑ بندیوں میں محصور رہتا ہے اور اسے آزادانہ نقل و حرکت کے مواقع کم ملتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم نے ہفتے بھر میں جو کچھ دیکھا اور سنا بشمول قم جیسے شہرِ علم کے ایک روزہ دورے کے جہاں دینی جامعات (حوزۂ علمیہ) حلقہ ہائے تدریس، لائبریریوں اور ریسرچ سنٹرز کی کثرت ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ایران اسلامی انقلاب کے باوجود آج بھی تعلیمی حوالے سے تقریباً انہی تین بڑے مسائل میں پھنسا ہوا ہے یا یوں کہیے کہ اسے انہی تین بڑے چیلنجز کا سامنا ہے جو پاکستان کو درپیش ہیں یعنی:

۱- جدید تعلیم کو مغربیت کے اثرات سے پاک کر کے اسلامی تقاضوں کے مطابق کیسے ڈھالا جائے؟

۲- دینی تعلیم پر ایسی نظر ثانی کس طرح کی جائے کہ وہ عصری ضرورتوں کو بھی پورا کرے؟

۳- دینی اور جدید تعلیم کی علیحدگی اور ثنویت ختم کر کے انہیں ایک موحد اسلامی نظام تعلیم میں کیسے سمویا جائے؟

اس فرق کے ساتھ کہ وہاں جو دینی عناصر یہ جدوجہد پرائیویٹ سیکٹر میں کر رہے ہیں انہیں طاقتور حکومتی حلقوں کی حمایت حاصل ہے اور ہمارے ہاں حکومت بھی اس کی مخالف ہے، دینی عناصر کو بھی اس کی

پروا نہیں اور صحرا میں اذان دینے والے ہم جیسے بعض کم مایہ لوگ ہیں۔ وہاں حکومت یہ کام خود کیوں نہیں کر رہی ؟ یا پچھلے ۳۳ سال میں (انقلاب کی کامیابی کے بعد سے) یہ کام وہاں قابل اطمینان حد تک کیوں نہیں ہوسکا جب کہ ابتداء میں تین سال تک یونیورسٹیاں بند بھی رکھی گئیں اور سیاسی انقلاب کو سماجی اور فکری انقلاب میں بدلنے کے لیے تحریک بھی شروع کی گئی ؟ ان سوالوں کے جوابات ہمیں اس مختصر دورے میں نہیں مل سکے البتہ یہ بات واضح ہے کہ وہاں انقلاب کی حامی دینی قوتیں اس صورت حال کی اصلاح کے لیے فکرمند بھی ہیں اور متحرک بھی اور جیسا کہ اس پہلی انٹرنیشنل کانگرس سے ظاہر ہے کہ اپنی اس سوچ اور جستجو میں دوسروں سے تبادلۂ خیال اور استفادے سے بھی انہیں انکار نہیں ہے - اور یہ سب فکر و عمل کی صحت مندی کی علامات ہیں۔

یہ غالبًا ایرانی وزارت تعلیم کا ثقافتی عشرہ تھا جس میں کئی کانفرنسوں میں بہت سے مما لک کے لوگوں نے شرکت کی جیسے شام، لبنان ،فلسطین ،ترکی ، نائیجیریا، پاکستان، بھارت، انڈونیشیا، ملائشیا وغیرہ-تاہم تعلیمی کانگریس میں شرکاء کا تنوع مقابلتًا کم تھا (ایران پر پابندیوں کی وجہ سے امریکہ و یورپ سے بھی اہل دانش شریک نہ ہوسکے)۔کانفرنس کا نہ کوئی اعلامیہ تیار کیا گیا اور نہ متفقہ سفارشات جس کی وجہ سے کانفرنس پر تبادلۂ خیال کی ایک ڈھیلی ڈھالی مجلس کا گمان ہوتا تھا۔اس میں جدید یونیورسٹیوں کی نمائندگی بھی برائے نام تھی۔

ہمارے خیال میں انسانی واجتماعی علوم کی اسلامی تشکیل نو اگرچہ بہت اہم ہے اور اس مسئلے پر سوچ و بچار بھی ضروری ہے اور عمل بھی تاہم دیکھا جائے تو یہ نظام تعلیم کا محض ایک حصہ ہے۔جس کا تعلق نصابیات سے ہے۔غالبًا ایران کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ عالم اسلام اور ایران کے سکالرز کی ایک منتخب لیکن مختصر تعداد تہران میں کم از کم ہفتہ بھر کے لیے جمع ہو اور وہ اس امر پر غور کرے کہ ایران میں تعلیم کی اسلامی تشکیل نو کے لیے آج تک کیا کوششیں ہوئی ہیں؟ ان کے خاطر خواہ نتائج کیوں نہیں نکلے؟ اور اس کے بعد وہ ایک نیا ایکشن پلان تیار کرے جس پر ایرانی حکومت اور وہاں کا پرائیویٹ سیکٹر عمل کرے۔

ہمارے علم میں یہ بات بھی آئی کہ قم میں دو تعلیمی ادارے امام خمینی تعلیم وتحقیق انسٹی ٹیوٹ اور جامعہ المصطفیٰ العالمیہ دینی تعلیم کو وسیع اور جدید تناظر میں مہیا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاہم یہ جدت و وسعت کتنی موثر ہے اور اس کا دائرہ کار کتنا وسیع ہے؟ اس کے بارے میں ٹھوس اطلاعات نہ مل سکیں۔غالبًا ان کا دائرہ کار ابھی تک عمرانی علوم تک وسیع نہیں ہوسکا؟ امام خمینی انسٹی ٹیوٹ کے بانی وڈائریکٹر آیۃ اللہ مصباح یزدی ، جو امام خمینی اور موجودہ رہبر امام خامنائی کے قریبی رفیق ہیں، تعلیمی اصلاح کی اس تحریک کے روح رواں ہیں اور انہیں رہبر کی حمایت بھی حاصل ہے۔

بظاہر یوں لگتا ہے کہ ایرانی انقلاب سیاسی اور سماجی لحاظ سے ایرانی معاشرے میں مضبوط جڑیں

رکھتا ہے۔قیادت کے اخلاص، اتحاد اور فراست کی وجہ سے ملک سیاسی لحاظ سے مستحکم ہے۔آئین بروقت بنالیا گیا اور وہ بڑی حد تک اسلامی اور زمینی حقائق کا عکاس ہے۔انتخابات باقاعدگی سے ہوتے ہیں اور وہ مصنوعی نہیں ہوتے بلکہ شفاف اور حقیقی ہوتے ہیں لہٰذا جذبات کا اظہار اور اخراج ہوتا رہتا ہے اور یوں حکمرانوں کے کسی مزعومہ جبر اور ناانصافیوں کے خلاف لاوا پکنے کا عمل وجود میں نہیں آتا۔سماجی لحاظ سے انقلاب کو مستحکم کرنے میں جس امر نے اہم کردار ادا کیا وہ شاہ کے خلاف مزاحمت کے بعد مغربی، امریکی اعانت سے عراق کی طرف سے مسلط کردہ جنگ تھی۔اس میں عوام اور خصوصاً نوجوانوں نے بھرپور حصہ لیا اور اب تہران کی ہر گلی کی نکڑ پر لگی ہوئی تختی کسی نہ کسی شہید کے نام پر ہے۔دفاع وطن کی خاطر اس جہاد اور ایثار نے ایرانی انقلاب کو جڑیں عطا کر دیں اور اب اسے مٹانا آسان نہیں۔

تاہم تعلیم کی اسلامی تشکیل نو کا کام بھرپور انداز میں نہ ہوسکنے کی وجہ سے ہماری رائے میں ایران فکری اضمحلال کا شکار ہے اور انقلاب Dilute ہو رہا ہے۔اس کو اپنے معاشرتی پس منظر میں یوں سمجھیے کہ ایک جگ لسی میں اگر مزید ایک جگ پانی ڈال دیا جائے تو رہے گی تو وہ لسی ہی لیکن اس کا مزہ اور تاثیر کم ہوتی جائے گی۔یہی حال ایرانی انقلاب کا ہے جس کا ایک مظاہرہ اس وقت ہوا جب ایک کانفرنس میں تعلیم کے نائب وزیر تشریف لائے اور ہمارے بعض دانش ور وزیروں کی طرح انہوں نے وہاں طویل تقریر فرمائی جس میں یہ ذکر بھی کیا کہ انہوں نے یونیورسٹی طالب علم کی حیثیت سے عراق، ایران جنگ میں کس طرح ایک فدائی معرکے میں حصہ لیا جس میں بچنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔وہ شدید زخمی ہوئے اور شہادت سے محروم ہوگئے لیکن فکری لحاظ سے خود انہوں نے تسلیم کیا کہ شائد میں نے آپ کو کنفیوز ہی کیا ہے۔بین الاقوامی سطح کے دانشوروں کی موجودگی میں ایک صاحب نے اس پر یہ تبصرہ کیا کہ وزیر صاحب کے اخلاص اور بہادری میں تو کوئی شک نہیں لیکن مغربی فکر وتہذیب کے حوالے سے وہ فکری شفافیت (Clarity of Thought) سے محروم تھے۔یہی حال وہاں کی یونیورسٹیوں کا ہے جن میں مغربی فکر وتہذیب کے اثرات نہ صرف موجود ہیں بلکہ پنپ رہے ہیں جس پر دینی قیادت کو تشویش ہے۔

فکری اور تعلیمی انقلاب کے موثر نہ ہونے کا ایک اور سبب بھی ذہن میں رہنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ شاہ کے خلاف انقلاب بنیادی طور پر سیاسی جبر کے خلاف مزاحمت پر مبنی تھا لیکن اس کی قیادت چونکہ آیت اللہ امام خمینی کر رہے تھے لہٰذا انقلاب 'اسلامی' بھی ہوتا گیا اور اسی طرح عراق کے خلاف جنگ اگرچہ دفاع وطن کی جنگ تھی لیکن عراق کے پیچھے چھپا ہوا اسلامی انقلاب کا دشمن امریکہ موجود تھا اور مسلمانوں کی دفاع وطن کی جنگ جہاد بن ہی جاتی ہے۔اس کی مثال ہمارے ہاں ۱۹۶۵ء کی جنگ ہے جس میں حقیقی جذبۂ جہاد فوجیوں کے ساتھ عوام میں بھی پیدا ہوگیا تھا یا پھر بھٹو کے خلاف چلنے والی تحریک جو درحقیقت ایک سیاسی تحریک تھی جو بھٹو کی انتخابی دھاندلیوں کے خلاف اٹھی تھی لیکن اس تحریک کو سٹریٹ

پا اور چونکہ دینی قوتوں نے مہیا کی لہٰذا وہ 'تحریک نظام مصطفیٰ' میں ڈھلتی چلی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک نظامِ تعلیم وتربیت کی اسلامی تشکیل نو نہ ہو نہ معاشرے میں اسلام کے حق میں گہرا فکری انقلاب برپا ہوسکتا ہے اور نہ سماجی اور سیاسی انقلاب موثر اور دیرپا ہوسکتا ہے کیونکہ یہ نظامِ تعلیم وتربیت ہی ہے جو ذہنوں کو بدلتا ،فکری وعملی رویوں کی تشکیل کرتا اور سیرت کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے لہٰذا جب تک نظام تعلیم وتربیت کی اسلامی تشکیل نو نہ کی جائے اور اسے مغربی فکر و تہذیب کے چنگل سے آزاد نہ کرایا جائے، ایران کا اسلامی انقلاب حقیقی معنوں میں موثر اور دیرپا نہ ہوسکے گا- اور اسی اصول کا اطلاق پاکستان پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ دینی قوتوں کے عدم اخلاص، عدم اتحاد اور عدم فراست کی وجہ سے انہیں اقتدار نہیں مل سکا (اور نہ بظاہر آئندہ ملتا نظر آتا ہے) لہٰذا اس کا تو کوئی امکان نہیں کہ حکومت تعلیم کی اسلامی تشکیل نو کرے تاہم حکومت پر اس کے لیے دباؤ جاری رکھنا چاہیے اور اس کا مطالبہ کرتے رہنا چاہیے۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ کام پاکستان میں پرائیویٹ سیکٹر ہی کو کرنا پڑے گا لہٰذا دینی عناصر (خصوصاً وہ جو سیاسی جدوجہد میں مصروف نہیں) کا فرض ہے کہ وہ اس کے لیے متحرک ہوں اور سول سوسائٹی کے دین پسند افراد کو بھی منظّم ومتحرک کریں کیونکہ اگر وہ اس کام کے لیے نہیں اُٹھے تو مغربی فکر وتہذیب کا جنّ تو پاکستانی تہذیب اور معاشرت کو اپنی راہ پر اڑائے لیے جا ہی رہا ہے لہٰذا بعد میں ہاتھ ملنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

چند متفرق اہم باتیں

۱- بھارتی اثرات

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ایران کے علمی حلقوں میں بھارتی دانشوروں کا اثر ورسوخ خاصا مستحکم ہے اور کانفرنسوں میں دو ہندو پروفیسرز (جو بلاشبہ بہت پڑھے لکھے اور تیز تھے) اکثر جگہ آگے آگے تھے۔ عرب ممالک کا بھی یہی حال ہے۔ ہم پاکستانیوں کو یہ بات چبھتی ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں بھارت نے انتہائی محنت وفراست سے عمدہ حکمت عملی اختیار کی ہے جب کہ ہم نے حماقتوں کے سوا کچھ نہیں کیا۔ مثلاً ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ ۸۰ کی دہائی میں جب ہم سعودی عرب میں تھے تو ایک دوست کے ساتھ کسی کام کے سلسلے میں جدہ میں بھارتی سفارت خانے جانا پڑا۔ جہاں ہم نے دیکھا کہ بھارتی سفارت خانے کے فرسٹ سیکرٹری (جو ایک ندوی مسلمان عالم تھے) بلا تکان بڑی خوبصورت عربی میں کسی سعودی افسر سے بات کر رہے تھے جب کہ سعودی عرب میں پاکستانی سفیر عموماً ریٹائرڈ جرنیل ہوتے تھے جن کی گردنوں میں سریا فِٹ ہوتا تھا۔ وہ منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی بولنے میں فخر محسوس کرتے تھے اور اپنے ہم وطنوں سے فاصلہ رکھنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ یوم پاکستان کی ایک تقریب میں ہم نے

اپنے سفیر محترم کو دیکھا کہ ان کا ہاتھ بار بار اپنی نکٹائی درست کرنے کی طرف بڑھتا تھا۔ آدھی انگریزی آدھی اردو میں انہوں نے چندمنٹ کی تقریر فرمائی اور چند منٹ کے بعد تقریب چھوڑ کر کسی اہم ''میٹنگ'' میں تشریف لے گئے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایران اور عرب ممالک سے ہمارے علمی اور ثقافتی روابط نہ ہونے کے برابر ہیں اور ہماری وزارت خارجہ اور وزارت ثقافت کو اس کا احساس بھی نہیں۔

۲۔ترکی کے حالات

ترکی کے کئی افراد سے ہماری ملاقات رہی۔ ان میں سے ایک دو عربی بول سکتے تھے لہٰذا زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم' کا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ ان ملاقاتوں میں یہ بات ہمارے علم میں آئی کہ ترکی کے نجم الدین اربکان مرحوم کی قائم کردہ اسلامی تحریک موجودہ اردگان حکومت کو اس کی جدیدیت اور مغرب پسندی کے سبب ناپسند کرتی ہے۔ علامہ فتح اللہ گولن کے بارے میں بھی ان کا تاثر انہی دو وجوہ سے ان کی تعریف وحمایت کا نہ تھا۔

مغرب کے تمدنی اثرات

قارئین کے علم میں ہوگا کہ ترکی اور ایران وہ ممالک ہیں جہاں مغرب مسلم ممالک میں سب سے پہلے شب خون مارنے میں کامیاب ہوا چنانچہ یہاں مغرب پرستی اور جدیدیت کی تحریک پہلی جنگ عظیم کے بعد شروع ہوگئی تھی اور حکومتی حمایت بلکہ جبر سے نافذ کی گئی۔ کئی نسلیں گزرنے کے بعد اب اسلامی اثرات ان دونوں ممالک میں غالب آنا شروع ہوگئے ہیں لیکن تمدنی اوضاع سماجی زندگی کا قابل قبول حصہ بن چکے ہیں چنانچہ ترکی میں عام دین دار لوگ تو رہے ایک طرف خود علماء کی بھی داڑھی نہیں ہوتی اور پینٹ کوٹ ہی علماء کا بھی لباس ہے۔ ایران میں علماء اگرچہ لباس کے اوپر عبایا پہن لیتے ہیں لیکن داڑھی ان کے ہاں بھی عموماً مختصر ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح خواتین کے پردے کا مطلب یہ ہے کہ سر پر سکارف اوڑھ لیا جائے۔ ایرانی عورتیں بھی اکثر مغربی لباس پہنتی ہیں۔ اختلاط مرد و زن عام ہے، عورتیں بولڈ ہیں اور زندگی کے سارے شعبوں میں کام کرتی ہیں۔ پاکستان میں بھی اب ماڈرن طبقہ یہی کچھ کرنے لگا ہے اور جاوید غامدی صاحب جیسے سکالر ان کو شرعی طور پر درست بھی قرار دینے لگے ہیں لیکن پھر بھی عوام اور علماء کا ایک بڑا حلقہ ان اوضاع کو ابھی تک پسند نہیں کرتا۔

ہم فتوے کی زبان میں ان اوضاع کی شرعی حیثیت پر کوئی بحث نہیں چھیڑنا چاہتے تاہم ہمارے نزدیک تمدنی اوضاع میں اسلام اور مسلم دشمن اہل مغرب کی نقالی اور اتباع خلاف حمیت بھی ہے اور خلاف روایت واسلامی تعلیمات بھی۔ اگرچہ فراست وحکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کے طرز عمل کے خلاف قانون سازی کی بجائے ان کے خلاف ایک کلچرل تحریک شروع کی جائے اور قیادت اس کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ کلچرل تبدیلی ذہنی تبدیلی کے نتیجے میں آئے خواہ اس کی رفتار سست ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام اور مغرب محمد رشید

سائنس کی مخالفت کے جواب میں

سائنس اسلام دوست ہے یا اسلام دشمن؟ سائنس سرمایہ دارانہ اور ملحدانہ نظام سے علیحدہ نہ کیا جاسکنے والا اس کا ایک لازمی اور بنیادی جزو ہے یا اس کی اپنی کوئی آزاد حیثیت بھی ہے؟ ہمیں سائنس وٹیکنالوجی سے نفرت کرنی چاہیے یا کہ ہمیں سائنس دوست بن کر سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں قائدانہ کردار ادا کرنے کی صلاحیت وقابلیت حاصل کرنی چاہیے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ماہنامہ البرہان کے مارچ اور اپریل ۲۰۱۲ء کے شمارے میں جناب زاہد صدیق مغل صاحب کے مقالہ کے مطالعہ کے نتیجہ میں ہمارے ذہن میں کلبلا رہے ہیں اور جواب تلاش کرنے پر اصرار کر رہے ہیں۔

سائنس مخالف دلائل کا خلاصہ: سائنس کیا ہے؟ اور یہ کہ سائنس کی مخالفت کیوں کرنی چاہیے؟ اس ضمن میں پروفیسر زاہد صدیق مغل صاحب کے دلائل کے اہم ترین اور مرکزی نکات یہ ہیں:

۱۔ ''ہم اس سائنس کی مخالفت کرتے ہیں جو مقتدر مغربی فلاسفہ کے ہاں مسلمہ طور پر سائنس سمجھی جاتی ہے اور جسے scientism کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے تشکیل حیات انسانی کے لیے وحی کو رد کر کے حصول علم کے لیے انسانی کلیات کو بنیاد بنانا اور حقیقت کو ویسا بنانے کی کوشش کرنا جیسا کہ انسان چاہتا ہے یعنی کائناتی قوتوں پر ارادہ انسانی کا تسلط قائم کرنے کی جستجو۔ اس کے علاوہ سائنس اور کسی شے کا نام نہیں۔'' (البرہان، مارچ ۲۰۱۲)

۲۔ ''سائنسی علمیت میں خدا اور خشیت الٰہی کا کوئی حوالہ سرے سے موجود نہیں'' (البرہان، مارچ ۲۰۱۲)

۳۔ ''سائنس کا سرمایہ داری سے تعلق مغرب کے تمام نامور مکتبہ ہائے فکر کے ہاں بالکل واضح ہے۔'' (البرہان، اپریل ۲۰۱۲)

درج بالا سطور میں سائنس کی مخالفت میں پروفیسر مغل صاحب کے مرکزی دلائل کو انہی کے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ ان دلائل کا لب لباب یہ ہے کہ مغرب کے مقتدر فلاسفہ کے نزدیک سائنس کا معنی ہے تشکیل حیات انسانی کے لیے وحی کو رد کر کے کائناتی قوتوں پر ارادۂ انسانی کا تسلط قائم کرنے کی جستجو کرنا۔ محترم مغل صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ سائنس اور کسی شے کا نام نہیں ہے۔ لہٰذا امر واقعہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں سرمایہ دارانہ سائنس غالب ہے۔

سائنس کیا ہے؟ ہماری نہایت عاجزانہ اور طالب علمانہ رائے میں مغرب کے دجالی ذہن نے ''سائنس'' پر خدا بیزاری اور مذہب دشمنی کا پردہ ڈال کر درحقیقت انسانیت کو سائنس کے حقیقی فوائد سے محروم کرنے اور اپنے ابلیسی مقاصد کی تکمیل کی کوشش کی ہے۔ اپنی حقیقت اور اصلیت کے اعتبار سے کیا سائنس وحی اور مذہب کی دشمن ہے؟ ذیل میں ہم اس ضمن میں چند نکات کی روشنی میں جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں:

۱۔ جمع، منفی، تقسیم اور ضرب ساری ریاضی کا خلاصہ ہے اور ریاضی کو سائنس میں روح کی نہیں تو جان کی حیثیت ضرور حاصل ہے۔ کیا کوئی معمولی سا پڑھا لکھا آدمی بھی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ ریاضی یا جمع، منفی، تقسیم اور ضرب کے اعمال کی انجام دہی کے لیے ضروری ہے کہ آپ وحی اور خدا کا انکار کرنے والے ہوں۔ چنانچہ اگر آپ وحی یا خدا کا انکار نہیں کریں گے تو پھر نہ ہی آپ جمع کرسکیں گے اور نہ ہی تقسیم۔ لہٰذا خدا کا انکار کیے بغیر نہ ہی آپ ریاضی کا علم حاصل کرسکتے ہیں اور نہ ہی اپنے معاشرے کی خدمت کے لیے اس علم کا استعمال کرسکتے ہیں؟ اگر کوئی صاحب علم شخص یہ بیان دے تو ہم یقیناً اس کی عقل پر شک کریں گے۔

۲۔ لوہار لوہے کو بھٹی میں ڈال کر چھریاں بناتا ہے، کلہاڑیاں بناتا ہے، تلوار، اوزار اور زندگی کی ضرورت کی دیگر چیزیں وجود میں لاتا ہے۔ لوہار کا لوہے کو بھٹی میں ڈال کر اس سے زندگی کی ضروریات و سہولیات کی مختلف چیزیں بنانا سائنس کی ایک خام اور بنیادی شکل ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جناب اگر کوئی شخص ''وحی یا خدا کا انکار'' نہیں کرتا تو وہ لوہار کا کام کر ہی نہیں سکتا اور یہ کہ وحی کا انکار کیے بغیر کوئی بھی شخص لوہار کہلا ہی نہیں سکتا۔

۳۔ سنار صدیوں سے سونے اور قیمتی دھاتوں کو بھٹی میں ڈال کر انسانی ضروریات، سہولیات اور آسائشات و زیبائش کے لیے زیورات و سکے تیار کرتا آرہا ہے۔ کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص وحی کا انکار نہیں کرتا تو وہ ''سنار'' پر مبنی سائنس کو زیر عمل لا ہی نہیں سکتا؟

۴۔ کسان صدیوں سے زمین، بیج، بیجائی، کٹائی اور زراعت و آبپاشی کی سائنس پر عمل پیرا ہے کیا یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص وحی کا انکار کرتا ہو صرف وہی زراعت و کاشتکاری کی سائنس پر عمل پیرا ہوسکتا ہے؟

۵۔ انسان صدیوں سے مویشی پال رہا ہے، ان کا علاج معالجہ، افزائش نسل وغیرہ کی بہتر سے بہتر شکل کا ازل سے متلاشی رہا ہے۔

۶۔ انسان اپنے رہن سہن، کھانے پینے، طرز زندگی میں بہتری اور سہولت کا ہمیشہ ہی متلاشی رہا ہے۔

۷۔ انسان کو بیماریوں اور حادثوں سے مقابلہ کے لیے بہتر سے بہتر علاج کی سہولتوں کی ہمیشہ ہی تلاش رہی ہے۔

۸۔ انسان کو سفر کے لیے تیز سے تیز تر اور بہتر سے بہتر سواری کی تلاش رہی ہے۔

۹۔ انسان اطلاعات رسانی اور پیغام رسانی کے تیز ترین اور محفوظ ترین ذرائع کا ہمیشہ ہی سے متلاشی رہا ہے۔

۱۰۔ انسان زمین سے خزانے ڈھونڈ نکالنے کا ہمیشہ ہی سے متمنی رہا ہے۔

۱۱۔ جنگوں میں دشمن پر فتح پانے کے لیے کارگر سے کارگر اور ناقابل شکست دفاعی قوت کی انسان کو ازل سے تلاش رہی ہے۔

انسان کے درج بالا تمام تقاضے اور ضروریات سائنس اور سائنسی ترقی کو وجود میں لانے کا بنیادی سبب ہیں۔ اگر انسانی جبلت کے یہ تمام تقاضے اور ضرورتیں خدا اور وحی کے انکار کے ہم معنی ہیں تو پھر یقیناً ''سائنس'' کفر ہے اور اس کے حصول کی کوشش بھی کفر ہی ہے۔ اور اگر یہ انسان کی ناگزیر اور فطری ضروریات ہیں تو ان کی تلاش اور ان میں بہتری لانے کی انسان کی کوششیں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہیں۔ اور یہی چیز درحقیقت سائنس کی اصل اور اس کا جوہر ہے۔

کون سا مذہب سائنس کی مخالفت کرتا ہے؟ ایک ایسا مذہب جو انسان کی فطری ضروریات، اس کی ناگزیر دنیوی حاجات، سہولیات و آسائشات کی بہتر سے بہتر شکل کے حصول کو گناہ سمجھتا ہو۔ اور انسان کو فطرت کی آسانیوں کی بجائے مصنوعی مشکلات میں ڈالنا نیکی سمجھتا ہو، جو مذہب کائناتی قوتوں پر انسان کی برتری اور بزرگی کی بجائے اسے مظاہر فطرت یا دیگر زندہ و مردہ انسانی خداؤں کا عبادت گزار اور محتاج سمجھتا ہو، جو دین و دنیا کی مشکلات کے حل کے لیے عقل کے استعمال کو کفر قرار دیتا ہو، جو انسانی مسائل و مشکلات کو اللہ کی دی ہوئی عقل کی شاہ کلید سے حل کرنے کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے انسان کو مصنوعی خداؤں سے خوفزدہ رکھ کر مذہب کے جھوٹے نمائندوں سے مدد لینے پر انحصار کرنا سکھاتا ہو، اس کے نزدیک یقیناً سائنس کفر ہو سکتی ہے کیونکہ سائنس انسان کی عزت و تکریم اور خود انحصاری کا باعث بنتی ہے جبکہ مذکورہ مذہبی طبقہ انسان کو اپنا محتاج و دست نگر بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ایسے مذہب اور سائنس میں کبھی صلح ہو ہی نہیں سکتی اور سائنس کے علمبردار یقیناً ایسے مذہب کے انکار کیے بغیر اپنے سفر کا آغاز کر ہی نہیں سکتے۔

کون سا مذہب سائنس کی حوصلہ افزائی اور حفاظت کرتا ہے؟ لیکن ایک ایسا مذہب جو قدم قدم پر انسان کی فطری ضروریات، اس کی ناگزیر دنیوی حاجات، سہولیات و آسائشات کا خیال رکھتا ہو، انسانی معاملات میں عسر (مشکل اور تنگی) کی بجائے یسر (آسانی) کی تلقین کرتا ہو، جس میں انسان

سے تمام قسم کی تکالیف، مشکلات، تنگیوں اور ضرر کو دور کرنا ایک بہت بڑی نیکی اور احکام کا مقصود قرار دیا گیا ہو۔ وہ مذہب جو ترک دنیا کی بجائے دنیا کی امامت کرنا سکھاتا ہو، ایک ایسا مذہب جو اپنی مقدس ترین مذہبی کتاب (قرآن حکیم) میں اپنے پیروکاروں کو سابقہ قوموں پر ڈالی جانے والی مشکلات سے نجات اور اجتناب کی راہ دکھاتا ہو اور ایسی دعا کو افضل ترین دعاؤں میں شمار کرتا ہو "ربنا لا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا و لا تحملنا مالاطاقة لنا به" (اے ہمارے رب! ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ ڈالیے جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا اور ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیے جسے ہم اٹھا نہ سکیں)، ایسا مذہب جو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی بہتری اور کامیابی کی تعلیم دیتا ہو۔ ایسا مذہب جو انسانی معاملات میں ظن وتخمین اور سنی سنائی باتوں کی بجائے عقل وفکر اور تجربہ ومشاہدہ پر زور دیتا ہو۔ ایسا مذہب جس میں 'تحریر'، 'تجربہ' اور 'مشاہدہ' اور تعقل وتفکر کی حوصلہ افزائی اور تلقین کی جاتی ہو۔ ایسا مذہب جو اپنے مقدس ترین نبی ﷺ کے اقوال وسیرت کی حفاظت کے لیے 'تنقید وتجزیہ' اور روایت ودرایت کے اعلیٰ ترین سائنسی اصول تاریخ انسانی میں پہلی دفعہ متعارف کراتا ہو، ایسا مذہب جو انسانوں پر انسانوں کی خدائی اور غلامی کی بجائے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی غلامی میں لانا اپنا مقصود قرار دیتا ہو۔ ایسا مذہب جو کائنات اور مظاہر کائنات کو انسان کا مسجود اور معبود ماننے کی بجائے اسے انسان کی حاجات اور ضروریات کے لیے استعمال کی جانے والی اور برتنے کی چیز قرار دیتا ہو، سائنس ایسے مذہب کی ادنیٰ خادم ہوتی ہے اور ایسا مذہب سائنس کو انسانیت کی بہتری اور آسانی کے لیے خدمت گار قرار دیتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ایسا مذہب سائنس کی حفاظت کرنا، سائنس کی سرپرستی کرنا، سائنس کو شیطانی آلہ کاروں کی دسترس سے محفوظ کرنا، سائنس کو نوع انسانی کی بھلائی، بہتری اور فلاح کے لیے استعمال کرنا سکھلاتا ہے۔

سائنس کے اغوا کی تاریخ: انسان کا اجتماعی ذہن جب ہزاروں مصنوعی خداؤں کی پرستش اور بندگی کی ہزاروں سالہ غیر فطری مشق سے بیزار ہوا اور اسلام کے تشکیل کردہ توحید پر مبنی علم وتحقیق کے ماحول میں تبدیلی کا خواہشمند ہوا تو ابلیس نے توحید کے پیروکاروں میں مقتدر اور موثر طبقات میں عیاشی، رنگینی، فحاشی، حب مال، حب جاہ، حسد اور تکبر کو مرغوب ومحبوب تر بنا کر اس شیطانی جال کا انہیں اسیر کر دیا۔ نتیجتاً علم وتحقیق (سائنس) کا ماحول، جس کا حقیقی محافظ اللہ اور آخرت پر گہرا یقین رکھنے والی غالب اقدار ہوا کرتی ہیں، غیر محفوظ ہو کر پس منظر میں چلا گیا۔ پھر جب اندلس میں عیسائیوں کے ہاتھوں اور بغداد میں چنگیزیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو بدترین تباہی وبربادی کا سامنا کرنا پڑا تو 'علم وتحقیق' (سائنس) کا جو ماحول پہلے ہی مسلمانوں کی عیاشی اور غفلت کی وجہ سے غیر محفوظ ہو کر پس منظر میں جا چکا تھا، ابلیسی آلہ کاروں کے قبضے میں چلا گیا۔

محمدﷺ کی رحمۃ اللعالمینی اور اسلام کی آفاقی رحمت کے زیرِسایہ پنپنے والے 'علم وتحقیق' (سائنس) کے محیرالعقول دنیوی فوائد کو دیکھتے ہوئے اب یہ تو ممکن نہیں تھا کہ ابلیس انسان کے اجتماعی ذہن کو 'علم وتحقیق' (سائنس) کی ترقی یافتہ شکل سے یکسر ہٹا کر واپس ہزاروں خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش پر مبنی سائنس کی پسماندہ شکل کی طرف واپس دھکیل دیتا۔ چنانچہ مسلمانوں کی عیسائیوں اور چنگیزیوں کے ہاتھوں بدترین تباہی و بربادی کے ادوار میں ابلیس نے پہلے پہل تو پوری کوشش کی کہ 'علم وتحقیق' (سائنس) کی روشنی کسی نہ کسی طرح تباہ و برباد کر دے لیکن متعدد وجوہ کی بنا پر اس مقصد میں براہ راست اس کے لیے کامیابی ناممکن تھی چنانچہ قرطبہ واندلس کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ترقی نے اس دور کی جاہل عیسائی قوتوں کو مجبور کر دیا کہ علم وتحقیق (سائنس) کے میدان میں مسلمانوں کی نئی دریافتوں اور انقلابی پیش رفت پر مبنی اصولوں کو چُرا کر اسے اپنی دنیا کو خوبصورت بنانے کے لیے استعمال کریں۔ لہٰذا مسلمانوں کے ذریعے قائم ہونے والا 'علم وتحقیق' (سائنس) کا ماحول بالکلیہ نیست و نابود ہونے سے بچ کر عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ عیسائی حکومتیں یا مغرب کے بعض دانا اور جرات مند لوگ 'علم وتحقیق' (سائنس) کے اس ماحول کے ذریعہ سے اسی طرح کی روشنی اور دنیوی ترقی حاصل کرنا چاہتے تھے جیسی مسلمانوں نے حاصل کی، لیکن توحید اور اسلام سے بچ کر۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ مسلمانوں نے 'علم وتحقیق' کا جو ماحول قائم کر دیا تھا وہ دنیوی ترقی کا تحفہ دینے کے ساتھ ساتھ شرک اور غیر فطری مذہبی پابندیوں اور روایات کو جڑ سے اکھیڑنے کی خاصیت رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں 'علم وتحقیق' (سائنس) کا مطالعہ عیسائی معاشرے میں بڑھتا گیا، مغربی معاشرہ دو مخالف گروہوں میں تقسیم ہوتا چلا گیا۔ مغرب کے سائنسی انسان اور عیسائیت کے مذہبی اجارہ داروں کے درمیان جنگ شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی۔ اور پھر بالآخر عیسائی مذہبی ٹھیکے داروں کے جبر اور وحشت ناک تعذیبوں سے تنگ آ کر علم وتحقیق (سائنس) کے علمبردار عیسائی انسان نے تمام مذاہب سے انکار کا اعلان کر دیا۔ لہٰذا سائنس اور سائنسی مطالعہ کے لیے وحی اور مذہب کے انکار کو ضروری قرار دے دیا گیا۔ یعنی اسلام نے علم وتحقیق (سائنس) کا جو ماحول تخلیق کیا اس میں بالقوہ یہ خاصیت تھی کہ وہ تمام مصنوعی مذاہب اور مصنوعی خداؤں کی خدائی کو قابل نفرت بنا دیتا ہے جس کے بعد انسان کے پاس سوائے خدائے واحد پر ایمان لانے اور اسلام کو بطور مذہب تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ لیکن مغرب کے مذہبی گماشتے طویل عرصے تک مسلمانوں کے بت پرست اور وحشی ہونے کا پراپیگنڈہ کرتے رہے۔ مغرب کا محبوب ترین مذہب صرف اور صرف عیسائیت تھا۔ جیسے ہی مغرب میں 'علم وتحقیق' (سائنس) کو ماننے والے انسان نے اپنے محبوب ترین مذہب عیسائیت سے چھٹکارا حاصل کیا تو اس نے تمام مذاہب ہی کا انکار کر ڈالا۔ ابلیس کی نئی چال کامیاب رہی کہ انسان جب ہزاروں مصنوعی خداؤں کی خدائی کا انکار کر رہا تھا تو اس وقت بجائے حقیقی خدا کو ماننے کا

اعلان کرنے کے وہ عملی طور پر 'سائنس' (یا دوسرے لفظوں میں اپنے نفس) ہی کو خدا مان بیٹھا۔ انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ مذہب کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اب تمام مذاہب کا انکار کرنے کے بعد مغرب کے سائنسی انسان کا مذہبی تسکین کا خانہ خالی ہو چکا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ وہ مذہب کے بغیر زندہ رہ سکتا۔ چنانچہ غیر محسوس طور پر اور غیر اعلانیہ طور پر مغرب کے سائنسی انسان نے مذہبی تسکین کے خانے میں 'سائنس' کو رکھ دیا۔ یعنی ازل سے انسان جو تقدس اور احترام مذہب کو دیتا آیا ہے مغرب کے سائنسی انسان نے مذہب کے انکار کے بعد وہی تقدس اور احترام 'سائنس' کو دے دیا۔

ابلیس کی سکیم: ابلیس کی سکیم یہ رہی ہے کہ 'علم و تحقیق' (سائنس) کو ماننے والے انسان کو اسلام سے اور اسلام کو ماننے والے انسان کو 'علم و تحقیق' (سائنس) سے متنفر کر کے آپس میں ٹکرا دیا جائے اور دنیا سے انسان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام پر قابض ابلیس کے آلہ کار علم و سائنس کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ سائنس ان کے الحادی اور مذہب دشمن علمیت کی قید سے نکل کر اسلام کی توحید کو گلے لگالے۔ اس لیے وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر وحی کے انکار اور سائنس کو لازم و ملزوم قرار دینے کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ مشرق کے اہل اسلام بھی سائنس کو الحاد اور سرمایہ داریت کے ناجائز قبضہ سے چھڑانے کی بجائے اگر سائنس اور الحاد اور سائنس اور سرمایہ داریت کو ہم معنی قرار دے کر اس سے نفرت اور مخالفت کا درس دینے لگیں تو یہ طرز عمل ابلیس اور ابلیسی عزائم کی بچھائی ہوئی شاطرانہ بساط سے مکمل طور پر ہم آہنگ اور ہم آواز ہوگا اور ابلیسی مقاصد کی تکمیل میں زبردست معاون اور مددگار ہوگا۔

اعتدال کی راہ اور انتہا پسندانہ نقطۂ نظر کے محرکات: مشرق میں رہنے والے اسلام کے پیروکار انسان کے لیے اعتدال کی راہ یہ ہے کہ وہ سائنس پر سرمایہ دارانہ الحاد کے قبضہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے اور سائنس کو توحید کی دولت سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کر ڈالے۔ اگر کوئی شخص یا قوم 'عقل' کی خوبیوں کی وجہ سے اسے اپنا خدا بنا لے اور ساری دنیا میں اعلان کرتا پھرے کہ اگر کسی نے عقل کو تسلیم کرنا اور عقل سے فوائد حاصل کرنا ہے تو پھر آسمانی خدا کا انکار کرنا ضروری ہے بصورت دیگر اسے عقل سے کام لینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے تو کیا ہم عقل کے ٹھیکیداروں کا یہ دعویٰ تسلیم کرلیں گے؟ اور کیا یہ منصفانہ طرز عمل ہوگا کہ توحید کی محبت کے جوش میں کوئی صاحب علم عقل ہی کا دشمن بن جائے اور عقل ہی کی مخالفت کرنا شروع کر دے؟ ہاں ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم عقل کی خدائی کا انکار کریں لیکن ہمارے رب نے زندگی میں عقل کو جو مقام اور مرتبہ دیا ہے اس کا انکار کرنا بھی کیا ہمارے لیے ضروری ہو جائے گا؟ یہ طرز عمل نہ صرف کامن سینس کے خلاف ہے بلکہ قرآنی تعلیم و حکمت کے بھی خلاف ہے۔ قرآن حکیم عیسائیوں کے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور خدا بنانے کے تباہ کن عقیدہ کا انکار کرتا ہے لیکن کہیں بھی قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دشمنی کا سبق نہیں دیتا۔ بلکہ آپ کی نبوت اور

بزرگی کا زوردار انداز میں اعلان کرتا ہے۔اسی طرح قرآن ہمیں نصیحت کررہا ہے کہ توحید اور اسلام کے جوش میں ہم عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور ہر حال میں انصاف کی بات کریں لیکن افراط وتفریط اور غلو کے مزاج کے ہم ایسے عادی ہوگئے ہیں کہ توحید کو منوانے میں بھی اسی بیماری کا شکار ہوجاتے ہیں۔لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ شرک کا انکار اور توحید کا اقرار کروانے کے جوش میں بعض موحدین حضرت بہاء الدین زکریاؒ،سید علی ہجویریؒ اور خواجہ معین الدین اجمیریؒ جیسے عظیم بزرگان دین کی مقابر پر شرک وبدعات کو دیکھ کر ان بزرگوں کے اسلام اور ایمان ہی کا انکار کردیتے ہیں اور ایک طرح سے توحید کی اندھی محبت کا شکار ہوکر اللہ کے ان نیک اور برگزیدہ بندگان کے ہی دشمن بن بیٹھتے ہیں۔ہم بصداحترام عرض کریں گے کہ اسلام،انسانیت اور صالح اقدار وروایات کے احترام اور محبت میں غلو اور انتہاپسندی کا نتیجہ ہے کہ سائنس کو اسلام دشمن ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

سائنس مخالفت پر مبنی ناقص استدلالات کا تجزیہ: ذیل میں جناب زاہد صدیق مغل صاحب کے نسبتاً اہم استدلالات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

استدلال نمبرا: محترم مغل صاحب کا یہ فرمانا کہ ''سائنس کو اسلام سے ہم آہنگ فرض کرتے ہوئے مسلم مفکرین ان تمام نقصانات سے سہو نظر کرتے ہیں جو سائنس کے جزو لازم ہیں اور جس کی وجہ سے وہ غیر شعوری طور پر سائنس کی تباہ کاریوں کو اسلامی جواز فراہم کرتے ہیں۔''(البرہان،اپریل۲۰۱۲)

درحقیقت وہ خود اس بات سے سہو نظر فرمارہے ہیں کہ انسانی معاشروں میں سائنس کی تمام تر تباہ کاریاں اور نقصانات درحقیقت سائنس کو معبود اور الٰہ کا مقام عطا کرنے کا نتیجہ ہیں۔اب ضرورت تو اس چیز کی تھی کہ سائنس کو زندگی میں جو غلط مقام دے کر اس کی خدائی کا اعلان کردیا گیا تھا،اسلام کے ماننے والے 'سائنس' کی خدائی کا انکار کردیتے اور اسے واپس اس کے اصل مقام (انسانیت کی خدمتگار) پر لا بٹھانے کی دعوت دیتے۔سائنس کو خدا اور معبود قرار دینا ایک قسم کی انتہاپسندی تھی تو اس کو اسلام اور انسانیت کا دشمن ثابت کرنا دوسری قسم کی انتہاپسندی ہے اور دونوں قسم کی انتہاپسندیوں میں ابلیس اور ابلیسی مقاصد کی کامیابی پنہاں ہے۔ہم پھر واضح کریں گے کہ سائنس کی جن تباہ کاریوں کا جناب مغل صاحب نے ان الفاظ میں اظہار کیا ہے کہ ''جدید سائنس وٹیکنالوجی نے بحر وبر میں جو فساد برپا کررکھا ہے اس پر ہزاروں صفحات لکھے جاچکے ہیں۔''(البرہان،اپریل۲۰۱۲) وہ صرف اور صرف سائنس اور سائنسی ماحول کے حیات افزا محافظ (اسلام) کا انکار کرنے اور سائنس ہی کو خدا اور مذہب کے مقام پر لا بٹھانے کی گمراہی اور انتہاپسندی کا نتیجہ ہے۔لہٰذا دنیا کو سائنس کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لیے جو اولین کام اہل اسلام کے کرنے کا ہے وہ سائنس کے ساتھ دشمنی کا اعلان کرنا نہیں بلکہ سائنس اور سائنسی ماحول کو اس کے اصل محافظ ونگہبان (اسلام) کی تابعداری اور محفوظ حصار میں واپس لانے کی دعوت دینا ہے۔

استدلال نمبر۲: محترم مغل صاحب فرماتے ہیں کہ: ''لیکن امر واقعہ (ground reality) یہی ہے کہ دور حاضر میں جو شے عملاً غالب ہے وہ سرمایہ دارانہ سائنس کے سوا کچھ نہیں ....ان حالات میں کسی فرضی سائنس کے امکان کو بنیاد بنا کر سائنس کی جو بھی مذہبی توجیہہ پیش کی جائے گی وہ موجودہ غالب سائنس ہی کی تائید وتصویب (endorsement and reinforcement) کا باعث بنے گی کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور سائنس فی الحال موجود ہی نہیں۔'' (البرہان، اپریل ۲۰۱۲)

یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تورات اور انجیل کا بار بار حوالہ دے کر یہودیوں اور عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات (اسلام) کی طرف بلایا تو یہودی شاطروں اور عیسائی علماء نے اسلام کو تورات وعیسائیت کا چربہ اور جعلی ایڈیشن ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ جب اسلام نے کائنات کی مقدس ترین اور اعلیٰ ترین حقیقت (توحید) میں تلبیس کاری اور ملمع کاری کے خدشے کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے صحیح مقام اور عالم عیسائیت کو اسلام کی طرف لانے کے لیے عیسائیوں کی معروف اقدار (جو اسلام میں بھی معروف ہی سمجھی جاتی ہیں) کا حوالہ دینے سے گریز کرنے کی بجائے اس پر اصرار کیا تو کیا سائنس (علم وتحقیق) کو ہم محض اس خدشہ کی بنا پر اسلام مخالف اور انسانیت دشمن ثابت کرنے پر لگ جائیں کہ اگر اس کے صحیح مقام کو تسلیم کر لیا گیا تو یہ ''موجودہ غالب سائنس ہی کی تائید وتصویب کا باعث بنے گی''۔ حالانکہ صدیوں سے عیسائی عالم حضرت عیسیٰ اور انجیل کے بارے میں اسلام کی مثبت دعوت کو اپنے گمراہ کن مذہب کی تائید وتصویب کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر اس کے باوجود عالم اسلام اپنے متوازن اور عادلانہ موقف سے محض اس خدشہ کی وجہ سے نہیں ہٹا کہ ''اس سے تو عیسائیت کی تائید اور تصویب ہو رہی ہے''۔

استدلال نمبر۳: محترم مغل صاحب سائنس کی مخالفت میں ایک اہم دلیل پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: ''کائناتی قوتوں پر انسانی ارادے کو مسلط کر کے ارادۂ انسانی کی تکمیل ہی سائنس کا اصل مقصد ہے'' .... یہ بات تقریباً ہر سائنسی مضمون کی درسی کتاب کے پہلے باب میں ......تحریر ہوتی ہے۔'' (البرہان، مارچ ۲۰۱۲)

اور یہ کہ 'ارادۂ انسانی کو کائنات پر مسلط کرنے کی ذہنیت (subordination of nature to human will for the maximum satisfaction of desires) ہی موجودہ سائنس کی اصل حقیقت وماہیت ہے'۔ (البرہان، اپریل ۲۰۱۲)

غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اگر اسلام کے پیروکار اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ارادۂ انسانی کو ارادہ الٰہی (صبغۃ اللہ) کے رنگ میں رنگ کر اس کے تابع کرنے کی دعوت دیں تو اس صورت میں کائناتی قوتوں پر اس پاکیزہ ارادۂ انسانی کے تسلط سے انسانیت کو فوائد ہی فوائد حاصل ہوں گے۔ اس نکتہ کو ہم اپنی

عام زندگی کی ایک عام سی مثال سے بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ حکومت اور اقتدار کی قوت کسی کافر کے ہاتھ بھی لگ سکتی ہے اور کسی سچے مومن کے ہاتھ بھی۔لیکن انسانیت کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ حکومت و اقتدار اکثر و بیشتر ظالم اور جابر لوگوں اور نافرمان طبقات کے قبضہ میں رہا ہے۔صاف ظاہر ہے کہ ازل سے ظالم و جابر اور غیر منصف لوگ اقتدار کی اس طاقت کو انسانیت پر ظلم،استحصال اور فساد و خون ریزی کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔اب اسلام نے محض اس خدشے کی وجہ سے سرے سے اقتدار اور حکومت کا انکار ہی نہیں کر دیا کہ یہ طاقت تو اکثر انسانیت دشمنی کے لیے استعمال ہوتی رہی ہے بلکہ اقتدار و حکومت کو انسانیت کی خدمت اور دنیوی و اخروی فلاح کے لیے ایک مقدس امانت اور طاقتور ترین tool کے طور پر متعارف کرایا ہے۔سائنس کی طرح اقتدار و حکومت بھی محدود سطح پر ہی سہی کائناتی قوتوں پر ارادۂ انسانی کے تسلط ہی کا نام ہے لیکن اس کے باوجود اسلام' حکومت و اقتدار' ہی کو حرام و ممنوع قرار دینے کی بجائے اسے ایسے پاکیزہ اہل ایمان کا اہم tool قرار دیتا ہے جن کی سوچ اور ارادہ اللہ کے رنگ میں رنگ کر ارادۂ الٰہی کی مکمل طور پر تابع بن چکی ہو۔

استدلال نمبر۴: محترم مغل صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''بیکن،نیوٹن،ڈیکارٹ،ہیوم،کانٹ، ہیگل،مارکس وغیرہ سے لے کر ہزرل،پاپر،کاہن،فیئر بینڈ،ہیبر ماس تک کسی ایسے نامور فلسفی کا نام نہیں بتایا جا سکتا جس نے سائنس کا مقصد مذہب کی خدمت قرار دیا ہو۔ان فلسفیوں اور ان کی تعلیمات کی حیثیت مغربی دنیا کی تشکیل میں ویسی ہی ہے جیسی مذہبی معاشروں کی تشکیل میں تعلیمات انبیاء کی ہوتی ہے۔سائنسی علم کی تشکیل (development) کو ان خیالات و نظریات سے ماوراء سمجھنا محض سادہ لوحی کی دلیل ہے۔''(البرہان،اپریل ۲۰۱۲)

ہم نے سابقہ سطور میں جو حقیر معروضات پیش کرنے کی کوشش کی ہے اگر اس پر ایک نظر دوبارہ ڈال لی جائے تو عصر حاضر کے ان آئمہ طاغوت کی سائنس و مذہب کی دشمنی اور مخالفت کا اعلان اور سائنس ہی کو معبود کے مقام پر لا بٹھانے کے محرکات و مقاصد کا بخوبی ادراک کیا جا سکتا ہے۔شاعر مشرق نے اپنے اشعار میں اس بدیہی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی تھی ؎

اہل نظر ہیں یورپ سے نومید کہ ان امتوں کے باطن نہیں پاک

اہل اسلام اہل یورپ کے ناپاک باطن کے حامل ان فلاسفہ اور ائمہ ضلالت کی سائنس پر ناجائز قبضہ کے اعلان کو جائز تسلیم کرنے کی بجائے اگر سائنس کو انسانیت کی خادم کے درست مقام پر بٹھانے اور اسے احکام الٰہی کا محفوظ اور مضبوط حصار عطا کرنے کی دعوت دیں تو کیا سائنس کا یہ تصور

جناب مغل صاحب کے بقول محض سادہ لوحی کی دلیل ہوگا؟ انسانیت کے حقیقی ہمدرد اور غمخوار کے طور پر کیا ہمارا یہ فریضہ نہیں بنتا کہ ہم انسانیت کی بہتری کے لیے استعمال کیے جانے والے علم 'سائنس' پر سے سرمایہ دارانہ وملحدانہ طاقتوں کے ناجائز قبضے کے خلاف علمی وفکری مزاحمت کریں اور سائنس کو انسانی فلاح کے اسلامی منشور کے مطابق ڈھالنے کے لیے اپنی مقدور بھر کوشش کریں۔

استدلال نمبر۵: پروفیسر زاہد صدیق مغل صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: ''آج تک جن معاشروں میں بھی سائنسی علوم کو علمی برتری حاصل ہوئی وہاں مذہبی حقائق اور مذہبی معنوی زندگی بے معنی ہو کر رہ گئی۔ ....سائنسی علم کے ساتھ ساتھ ایک خاص قسم کی ذہنیت بھی افراد میں پروان چڑھتی ہے جس کا آخری اور لازمی نتیجہ وہی ہوتا ہے جو مغربی معاشروں میں ہمیں نظر آرہا ہے۔'' (البرہان، اپریل ۲۰۱۲)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''ہم سائنس کی مخالفت اس خدشے کی بنا پر نہیں کر رہے کہ اگر گزشتہ معلومات میں پیہم بہتری کے امکان کو تسلیم کرلیا گیا تو مختلف مسائل میں مذہب کے پیش کردہ حتمی تصورات خطرے میں پڑ جائیں گے، ہمیں سائنسی تحقیقات کے نتیجے میں مذہبی تعلیمات کے فسخ ہو جانے کا کوئی خدشہ لاحق نہیں کیونکہ ہم سائنس کی حدود اچھی طرح پہچانتے ہیں، ہمیں تو فکر اس ذہنیت کے فروغ کی ہے جو سائنس لازماً اپنے ساتھ لاتی ہے'' (البرہان، اپریل ۲۰۱۲)

درج بالا سطور میں محترم مغل صاحب کے کے افکار کا تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ سائنس دو وجوہ سے مذہبی حقائق کے لیے نقصان ہے: ۱۔سائنسی علوم کی علمی برتری، ۲۔ایک خاص ذہنیت کا فروغ۔

گویا اگر ان دو وجوہ پر قابو پا لیا جائے تو سائنس کی مخالفت کی وجوہ ختم ہو جاتی ہیں۔اس تجزیہ سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو اپنے معاشروں میں سائنس کو علمی برتری عطا کرنے کی بجائے قرآن وسنت کو علمی برتری کے مقام پر بٹھانا چاہیے۔نیز انسان کی بھلائی، فلاح، اور دنیوی واخروی کامیابی کے لیے قرآن وسنت کے دیے اخلاقی وقانونی نظام کی پیروی کے ساتھ سائنسی میدان میں آگے بڑھنے کی دعوت دینی چاہیے۔یہی ذہنیت اس خاص ذہنیت کی جڑ کاٹ سکتی ہے جو سائنس کو انسانی سماج کے لیے تباہی وبربادی کا باعث بنانے کا باعث بنتی ہے۔

مغل صاحب کا ایک صحیح استدلال یا خدشہ: تاہم محترم مغل صاحب نے بالکل درست تحریر فرمایا ہے کہ: 'سائنس کو معیار بنا کر تبلیغ کرنے کا مطلب موجودہ مادہ پرست سائنسی ذہن کو بدلنے کے بجائے دین کو اس ذہن کے مطابق تبدیل کرنا ہے۔' (البرہان، اپریل ۲۰۱۲)

کیونکہ سائنس اور سائنسی اصول ہر لمحہ اور ہر وقت تبدیلی کے مراحل سے گزر رہے ہیں، پھر سائنس

کا دائرہ کار محض اس دنیا کی مادی زندگی تک محدود ہے جبکہ دین ابدی حقائق اور لازوال اقدار پر مبنی ہے اور دین کے دائرہ کار میں آخرت کی لازوال اور نہ ختم ہونے والی زندگی بھی ہے لہٰذا ایک لامحدود وسعتوں کے حامل علم (دین) کو ایک انتہائی محدود نقطۂ نظر کے حامل علم (سائنس) کے ماتحت کرنے کی کوشش کرنا اور اس کے لیے سائنس کو معیار قرار دینا نہ ہی معقول ہے اور نہ ہی متوازن۔ اس کی بجائے ہمیں چاہیے کہ ہم لامحدود وسعتوں کے حامل علم (دین) کی روشنی میں محدود وسعتوں کے حامل تجربی علم (سائنس) کے مطالعے واستعمال کے اصول کو اپنائیں۔ اس نقطۂ نظر کے تحت اگر سائنس کو تبلیغ دین کے لیے بطور ایک tool استعمال کر کے اللہ کی بندگی کی دعوت دی جائے تو سائنس کو پوجنے والی دنیا میں یہ نہ صرف انسانیت بلکہ سائنس اور دین کی بھی عظیم خدمت ہوگی۔

خلاصۂ کلام: محترم مغل صاحب نے پیہم اصرار اور تکرار کے ساتھ 'سائنس' کو کفر ثابت کرنے کے لیے سائنسی ملحدانہ علمیت اور سائنسی مابعد طبیعیات کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے۔ ہم بصد احترام عرض کریں گے کہ سائنس کے ساتھ اس ملحدانہ علمیت اور مادہ پرستانہ مابعد طبیعیات کو لازم وملزوم ٹھہرانے کا اصول وضع کرنا درحقیقت مغرب کے مذہب دشمن اور خدا بیزار ابلیسی مقتدر فلاسفہ کی مکاری ہے۔ یہ تاریخ کے انتہائی نازک موڑ پر ابلیس کا ایک بھیانک اغوا تھا تا کہ اسلام اور سائنس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے خلاف صف آراء کر دیا جائے اور اس طرح ضلالت وشقاوت اور تباہی وبربادی کے نہ ختم ہونے والے سلسلے نوع انسانی کا مقدر بنا دیے جائیں۔ اس طرح اسلام مخالف اور خدا دشمن عقیدہ کے تحت انسانیت کو آخرت کی ابدی مسرتوں اور کامیابیوں سے محروم کر کے، ان کے باطن میں چھپی ہوئی ابدی خوشی کی تلاش وجستجو کی جبلت کو 'اغوا شدہ سائنس' کے ذریعے سے اس دنیا ہی کی مادی چیزوں میں بھٹکا کر اور تباہ کر کے رکھ دیا جائے۔ ابلیس اور ابلیسی آلہ کاروں کو یہ بھی خوف تھا کہ اگر اسلام کی سچی اقدار اور سائنس کا اتحاد ہو گیا اور سائنسی علمیت حلقہ بگوش اسلام ہوگئی تو خطہ زمین میں شرک وکفر کی قوت وحکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا، اور انسانیت کو دنیوی واخروی فلاح، کامیابی اور ترقی وامن کا ایک نہایت مضبوط اور ناقابل شکست حصار حاصل ہو جائے گا۔ یہ تھے وہ محرکات جن کی وجہ سے ابلیس نے وہ مخصوص حالات پیدا کیے جن کے نتیجے میں سائنس اور مذہب کی خوفناک لڑائی شروع ہوئی جو بالآخر خدا بیزاری اور مذہب دشمنی کے نامعقول اور نام نہاد سائنسی عقیدہ پر ختم ہوئی۔

لیکن ہم اتنے سادہ لوح واقع ہوئے ہیں کہ ہم نے تاریخ کے اس نہایت بھیانک اغوا، خوفناک علمی سازش، مذہب دشمن اور خدا بیزار ابلیسی قبضہ کو 'سائنسی علمیت' اور سائنسی مابعد طبیعیات کے نام سے نہ صرف پورے انشراح قلب کے ساتھ قبول کر لیا ہے بلکہ پورے جوش وخروش اور منطقی وعقلی دلیلوں سے

مسلح ہوکر'سائنس' پر ابلیس اور کفر کے اس ناجائز قبضہ کو جائز قرار دلوانا اپنا فریضہ سمجھ لیا ہے۔

قرائن یہ بتاتے ہیں کہ اکیسویں صدی میں آدم وابلیس کی جنگ کے آخری خوفناک مرحلے کا آغاز ہو چکا ہے۔اس مرحلے کے لیے انسانیت کو بربادی کی آخری حدوں سے بھی پرے دھکیلنے کے لیے ابلیس انسانوں میں سے اپنے خوفناک ترین نمائندہ ''دجال'' کو سامنے لانا چاہتا ہے لیکن خروج دجال سے پہلے پہلے چاہتا یہ ہے کہ انسانیت کے دفاع اور تحفظ کی ہر ہر ممکن صورت کو تباہ و برباد کر دیا جائے تاکہ ابلیسی مشن (انسانوں کی تباہی و بربادی) کی تکمیل میں اسے کسی قابل ذکر رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑا۔اسی تناظر میں 'جہاد' کو فساد اور دہشت گردی قرار دلوانے کی غیر علمی اور جاہلانہ مغربی تحریک عالمی سطح پر شروع کی گئی۔اسی تناظر میں اسلام کو سائنس کا مخالف ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ سائنس کو خدا ماننے والے اسلام سے دور رہیں اور اسلام کو ماننے والے سائنس کی زبردست مادی قوت سے محروم رہیں۔لہٰذا مسلمانوں میں سے جو اہل علم اسلام اور سائنس کو ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کا مخالف ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ اسلام اور انسانیت کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے بلکہ لاشعوری طور پر مغرب کے ابلیسی پروگرام کو پھیلانے اور اس کی تائید وتقویت کا باعث بن رہے ہیں۔

مغرب کے ابلیسی ایجنڈا پر ایک عظیم استاد کا تجزیہ: اکیسویں صدی کے مرد دانا ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے مغرب کے اس ابلیسی ایجنڈے کے بارے میں ان الفاظ میں آگاہ فرمایا:

''اہل مغرب نے آج سے طویل عرصہ قبل (تقریباً دو ہزار سال پہلے) یہ طے کر لیا تھا کہ عقل اور وحی میں کوئی توافق نہیں ہے اور ان دونوں کا دائرہ کار الگ الگ ہے۔آج اہل مغرب دنیا میں جس سے بھی معاملہ طے کرنا چاہتے ہیں، وہ دین و دنیا کی اسی تفریق کی بنیاد پر کرنا چاہتے ہیں کہ عقل اور وحی میں کوئی توافق نہیں ہے۔ان کا اصرار بلکہ شدید دباؤ ہے کہ ان دونوں میں تفریق کے اصول کو تسلیم کرو گے تو بات آگے بڑھے گی۔جو قوم یا افراد اس تفریق کے قائل نہیں ہیں ان سے مغرب کوئی آبرومندانہ معاملہ کرنے کو تیار نہیں ہے۔اسلام کے نظام میں عقل اور وحی ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ ایک دوسرے کے حلیف ہیں۔یہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں یعنی انسانی علم یا سائنس اور مذہبی علم اور ہدایت یہ ایک دوسرے کے مؤید اور تکمیل کنندہ ہیں ایک دوسرے کی نفی کرنے والے نہیں ہیں۔لہٰذا مادی اور مذہبی قوتیں، مادی اور روحانی قوتیں ایک دوسرے کی پشت پناہ ہیں۔مادی قوت مذہب کی پشت پناہ ہے، جس کی مثالیں مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں اور مذہبی قوت مادیات کی پشت پناہ ہے۔مسلمانوں کو جب بھی مادی قوت حاصل ہوئی ہے، خواہ وہ ریاست کی شکل میں ہو یا معاشی خوشحالی کی شکل میں یا دنیاوی علوم و

فنون میں مہارت کی شکل میں وہ ہمیشہ دین کی رہنمائی سے مستنیر ہوئی اور دین نے اس کو ہمیشہ ایک مثبت اور تعمیری جہت عطا کی۔''(محاضرات شریعت ص۵۰۶)

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عقل اور نقل کا یہ مکمل توازن اور ہم آہنگی شریعت کے بنیادی مزاج کا حصہ ہے تو پھر جدید مادی آسائشیں اور جدید مادی کامیابیاں دینی اور اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ کیسے کی جائیں؟ یہ بات متعدد مغربی مفکرین نے تسلیم کی ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو اخلاق اور روحانی اقدار سے ہم آہنگ کرنے میں اگر کوئی قوم یا تہذیب تاریخ کے اس طویل عرصہ میں کامیاب ہوئی ہے تو وہ مسلمان ہیں۔''(محاضرات شریعت،ص۵۰۷)

اسلامی تہذیب ہر تہذیب کے خیر کو جذب کرنے والی قائدانہ و مجتہدانہ تہذیب: غیر مسلم تہذیبوں کے مثبت عناصر کے قبول کے ضمن میں ڈاکٹر غازی صاحبؒ فرماتے ہیں:

''مسلمانوں نے دوسروں سے مثبت اور تعمیری عناصر قبول کرنے میں نہ کبھی تامل کیا اور نہ اس کو عار سمجھا۔لیکن کسی سے جو کچھ لیا وہ چند اصول اور قواعد کی بنیاد پر ہی لیا۔..................''(محاضرات شریعت)

قرآن،سنت،تعامل صحابہ اور مسلمانوں کی اجتماعی فکر و فیصلے یہ وہ چار عناصر ہیں جنہیں غازی صاحبؒ مسلمانوں کی ملی زندگی کے لیے چار بنیادی حدود قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ چار بنیادی حدود ہیں جن سے تجاوز کرنے کی کبھی کسی کو اجازت نہیں دی گئی۔کوئی تہذیب کتنی ہی قیمتی چیز لے کر آئی ہو،کوئی قوم کتنا ہی مفید عنصر اپنے پاس رکھتی ہو اسے انہی چار بنیادوں کی اساس پر قبول کیا گیا۔اگر کوئی عنصر ان چار مصادر میں بیان کردہ حدود شرائط کے مطابق تھا،مسلمانوں کے لیے،انسانیت کے لیے مفید تھا،اس کو امت مسلمہ نے قبول کر کے اپنے نظام میں جذب کیا اور اپنی شرائط پر جذب کیا۔دوسروں کی شرائط پر کبھی کوئی چیز نہیں لی گئی۔اس طرح ایک ہزار سال سے زائد پر محیط اس طویل عرصہ میں مختلف و متضاد بلکہ متحارب عناصر سے مثبت اور تعمیری پہلوؤں کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کیا گیا۔آپ کے علم میں ہے کہ اسلام سے پہلے کی کئی سوسالہ تاریخ ایرانیوں اور رومیوں کے مابین طویل محاربہ کی داستانوں سے عبارت ہے..................لیکن ان دونوں متحارب کیمپوں سے بیک وقت مسلمانوں نے استفادہ کیا اور ان میں دستیاب علم و حکمت کی روشنی کو اپنے نظام میں اس طرح سمویا کہ وہ اسلام کے نظام کا حصہ بنی۔''(ایضاً)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

''ماضی کی تہذیبوں کے تمام مثبت اور تعمیری عناصر کو اسلامی تہذیب نے اپنے اندر جمع کیا بلکہ ماضی کی تہذیبوں کے تمام مثبت اور تعمیری عناصر کو اسلامی تہذیب نے اپنے اندر سمو کر محفوظ کر لیا،ان کی پرورش

کی ،ان کوترقی دی،اور بالآخران میں سے بہت سے عناصر کوجدید تہذیب کی طرف منتقل کیا۔'' (ایضاً)

مجتہدانہ کردار ترک کرنے کا نتیجہ: محترم غازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے تجزیہ میں واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آخری ادوار میں ملت اسلامیہ کے اس مجتہدانہ اور قائدانہ رویہ کوترک کرنے اور ہر معاملے میں نہایت شدت سے مقلدانہ اور تنگ نظری پرمبنی رویہ اختیار کرنے کے نتیجے میں دوسری اقوام نے مسلمانوں سے دنیا کی قیادت و سیادت چھین لی ۔جدید زمانے کے آغاز کے وقت تقلید کے انتہا پسندانہ نظریات کی وجہ سے علمائے دین بری طرح ملت کی درست رہنمائی میں ناکام رہے جس کے نتیجے میں ملت اسلامیہ مغربی طاقتوں کا تر نوالہ بنتی چلی گئی، چنانچہ اپنے تجزیہ میں فرماتے ہیں:

''جزوی معاملات میں اجتہاد یا نئے پہلوؤں میں اجتہاد کا تصور شاید ان کے ذہنوں میں نہیں رہا تھا۔اس لیے یہاں علماء کرام صحیح رہنمائی فراہم نہیں کر سکے۔بعض ایسے امور کی انہوں نے مخالفت کی جس کا نقصان اسلام کوبھی ہوا،مسلمانوں کوبھی ہوا،ترکوں کوبھی ہوا۔مثال کے طور پر مغربی دنیا میں پرنٹنگ پریس کافی عرصہ پہلے رائج ہو چکا تھا۔جب ترکی میں پرنٹنگ پریس لگانے کی تجویز آئی جو مغربی دنیا کے کئی سو سال بعد آئی، جب مغربی دنیا میں ہزاروں کتابیں چھپ کر گھر گھر اور گلی گلی تقسیم ہو چکی تھیں۔اس وقت بعض ترک حکمرانوں کو یہ خیال ہوا کہ ترکی میں بھی پرنٹنگ پریس لگایا جائے۔علماء کرام نے اس تجویز کی شدید مخالفت کی۔ پریس لگانے کو اسلام کے لیے خطرہ سمجھا، دنیائے اسلام کے مفاد کے خلاف سمجھا۔ کیوں سمجھا، کن بنیادوں پر سمجھا؟ یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔خاصی ردوقدح کے بعد علماء کرام نے پرنٹنگ پریس لگانے کی اجازت اس شرط پر دی کہ اس پرنٹنگ پریس میں اسلامی کتابیں نہیں چھاپی جائیں گی۔قرآن مجید شائع نہیں ہوگا۔تفسیر، حدیث کی کتابیں شائع نہیں ہوں گی۔ فقہ اور شریعت کی کتابیں شائع نہیں ہوں گی۔ گویا علماء کرام نے خود یہ راستہ کھلا چھوڑا کہ پرنٹنگ پریس کی سہولت سے اسلام کے خلاف یا غیر اسلامی تحریریں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں چھاپ چھاپ کر بانٹنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اسلام کے پیغام پرمبنی کوئی کتاب شائع کر کے تقسیم کرنا اور گھر گھر پہنچانا درست نہیں۔نتیجہ جو نکلنا تھا وہ ظاہر ہے۔'' (محاضرات شریعت،ص ۴۵۲)

ان سطور کا راقم اپنی کم علمی، ناتوانی اور عجز کے اعتراف کے ساتھ زیر بحث سائنس مخالف مفکرین کی خدمت میں عاجزانہ التجا کرتا ہے کہ ان کا نقطہ نظر فکری الجھاؤ اور سائنس و اسلام ہر دو کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کا باعث بن رہا ہے اور دین و دنیا کی جدائی کے گمراہ کن اور جاہلانہ فلسفہ کو تائید اور تقویت عطا کر رہا ہے۔اگر ہمارے محترم مفکرین اپنے موقف پر از سرنو غور کر کے اسلام اور عقل کی موافقت پرمبنی کوئی Reasonable & Feasible لائحہ عمل تجویز کریں تو یہ ہم جیسے نہایت ادنیٰ طالب علموں پر ان کا بہت بڑا احسان ہوگا۔

استفسارات　　ڈاکٹر محمد امین

دنیا اور آخرت کی رسوائی سے کیسے بچا جائے؟

سوال: اس وقت مسلمان دنیا میں کمزور ہیں اور جہاں بھی ہیں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔ اس کے لیے دلائل اور ثبوت دینے کی ضرورت نہیں کہ یہ ہم میں سے ہر شخص کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ اور جو ہمارے کرتوت ہیں ان سے یہی لگتا ہے کہ آخرت میں بھی ناکامی ہوگی (العیاذ باللہ)[1] سوال یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی اس رسوائی سے بچنے کی کوئی صورت ہے؟

جواب: ہمارے نزدیک اس کا جواب واضح اور مثبت ہے، دو اور دو چار کی طرح، اور وہ یہ ہے کہ آدمی کو بدل دیا جائے اور یہ جواب حتمی طور پر درست ہے[2] کیونکہ یہ جواب ہمارا نہیں آدمی کے خالق کا ہے (اور مخلوق کو اس کے خالق سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا ہے؟) اور اللہ کی اس کتاب میں مذکور ہے جس کی حفاظت وصحت کی ذمہ داری اس نے خود لی ہے، فرمایا "یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم"[3] اور یہ وہ جواب ہے کہ عقل و حکمت اس کی تصویب کرتے اور انسانی تجربہ و مشاہدہ اس کی تصدیق و تائید کرتا ہے۔

تبدیلی کا یہ وہ سدا بہار نسخہ اور انٹرنیشنل فارمولا ہے جو اللہ نے اپنے مبعوث کردہ انبیاء کو عطا فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کو[4] اور آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو[5] اور وہ فارمولا یہ ہے کہ آدمی کو بدل دو اس کا تزکیہ کر کے اور اسے صحیح تعلیم دے کر۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو تبدیل کرنے کا یہ کام ہمیں کر کے دکھا دیا اور آج کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام ناممکن اور مشکل ہے[6] کیونکہ اس کا بہترین نمونہ ہمارے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی صورت میں

۱- اگرچہ کلمہ گو ہونے کی حیثیت سے اللہ کی رحمت اور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت کی توقع رکھنا بظاہر بے معنی نہیں لیکن عملاً جس طرح ہم اللہ و رسول کی معصیت پر دلیر ہیں اور اللہ کی طرف پلٹنے (توبہ) میں ناکام ہیں اس کے بعد اللہ کی رحمت اور اللہ کے رسولؐ کی شفاعت کی توقع خام خیالی نہیں تو کیا ہے؟

۲- مقصود نہ حصر ہے اور نہ یہ فتوے کی زبان ہے بلکہ تفہیم دین کی ایک کوشش ہے۔

۳- البقرہ ۲: ۱۲۹

۴- الاعلیٰ ۸۷:۱۴-۱۹

۵- البقرہ ۲:۱۵۱

۶- اگرچہ ہر کام میں طبعاً مشقت درکار ہوتی ہی ہے۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام نہ عقلاً محال ہے اور نہ عملاً اتنا مشکل ہے کہ ہو ہی نہ سکے۔

موجود ہے بلکہ دیکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت کر کے جو کارنامہ انجام دیا، اسے آدمیوں کے تبدیل کرنے یعنی ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشنے، ان کی تعمیر شخصیت و کردار اور ان کے رویوں میں مثبت تبدیلی (جسے آج کل کی اصطلاح میں Human Resource Development کہا جاتا ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا، کامیاب اور عظیم الشان تجربہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس تجربے نے جو نتائج پیدا کیے انہوں نے نہ صرف اُس وقت کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا بلکہ ایک ایسی خوبصورت، بین الاقوامی اور عظیم تہذیب کی بنیاد رکھ دی جو ایک ہزار سال تک افق انسانیت پر جگمگاتی رہی بلکہ آج بھی دنیا کے احوال پر شدت سے اثر انداز ہو رہی ہے اور کوئی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس قلبِ ماہیت کا ادراک خود صحابہؓ کو بھی تھا چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ایک وقت تھا کہ عمرؓ چند ٹکوں کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ یہ فرمایا اور منبر سے نیچے اتر آئے۔ کسی صحابی نے کہا یا امیر المومنین! یہ آپ نے کیا کیا؟ یعنی اس سے کیا مقصد تھا کہ پبلک پلیٹ فارم پر اپنی قبل از اسلام کی حقیر زندگی کا اس انداز میں ذکر کیا۔ فرمایا موجودہ حالات کی کامیابیاں اور قوت و اختیار دیکھ کر میرا نفس عُجب میں مبتلا ہونے لگا تھا (گویا کہ میں کوئی بڑی چیز ہوں) چنانچہ میں نے مناسب سمجھا کہ اسے سب کے سامنے اس کی اوقات یاد دلاؤں کہ اسلام سے پہلے وہ کیا تھا (اوکما قال رضی اللہ عنہ) مطلب یہ کہ صحابہ کرامؓ کو بھی احساس تھا کہ اسلام لانے سے پہلے وہ مس خام تھے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت نے کندن بنا دیا تھا یہاں تک کہ ایک مستشرق کو کہنا پڑا کہ اگر مسلمانوں میں ایک عمرؓ اور پیدا ہو جاتا تو وہ قیامت تک دنیا پر حکمرانی کرتے (اوکمال قال)۔

آدمی کو کیسے بدلا جائے؟

یہ فارمولا اور نسخہ یہ تھا کہ صحیح تعلیم و تزکیہ سے آدمی کو بدل دیا جائے اور اس کی اصلاح کر کے اسے خالق کا مطلوب و پسندیدہ بندہ بنا دیا جائے۔ صحیح تعلیم و تزکیہ سے کیا مراد ہے اور اس سے کون سی صفات آدمی میں پیدا ہو جاتی ہیں کہ آدمی بدل جاتا اور خالق کا مطلوب و پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی راہیں اس پر کھل جاتی ہیں؟ اس پر کچھ غور ضروری ہے۔

صحیح تعلیم سے کیا مراد ہے؟

وہ کون سی تعلیم ہے جو آدمی کو صحیح رخ میں بدل دیتی ہے؟ اس کی وضاحت خود خالق انسان و کائنات نے کر دی کہ وہ ہے تعلیم کتابِ وحکمت یعنی تعلیم قرآن حکیم کی اور اس کے علوم و معارف کی (اور ضمناً اس میں وہ علوم بھی شامل ہیں جو تعلیم قرآن سے متعلق اور ملحق ہیں جیسے عربی زبان کہ اس کے بغیر قرآن حکیم کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ حدیث رسولؐ کہ اس کے بغیر بھی قرآن کی صحیح تفہیم ممکن نہیں اور قرآن کے احکام کی

تعلیم یعنی فقہ)۔اور تعلیم حکمت یعنی ان علوم عقلیہ و تجربیہ کی تعلیم جن کی انسانی معاشرے کو ضرورت ہوتی ہے لیکن جن کی تفصیل اللہ نے نہیں اتاری کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی (اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ تفصیلی تعلیم صرف ان امور کی دیتا ہے جو یا تو بہت بنیادی ہوں اوران پر انسانی معاشرتی ڈھانچے کا صحیح رخ میں قیام منحصر ہو جیسے شریعت کے مقاصد خمسہ (حفظ دین، جان، مال، عقل ونسل) کے حصول کا ڈھانچہ یا پھر بسہولت مدرک بالعقل نہ ہوں اوران میں انسان کے ٹھوکر کھانے کا امکان ہو جیسے نماز کی رکعتوں یا روزوں کی تعداد کا تعین کہ محض عقل سے ان کی تحدید ممکن نہ تھی۔ ورنہ جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جو مدرک بالعقل ہوں اورانسانی مشاہدہ و تجربہ سے ان تک رسائی آسان ہو اور مستقبل میں تغیر زمان ومکان سے ان کے اوضاع اور فروع میں تبدیلی کا امکان ہو تو خالق کائنات اسے انسانی دانش پر چھوڑ دیتا ہے جیسے زراعت وصنعت اور دیگر فنون- یا ان میں بنیادی اصول دے کر تفصیلات انسانی عقل و تجربے پر چھوڑ دیتا ہے جیسے سیاست ومعیشت وغیرہ۔ تاہم بیان میں تعلیم کتاب وحکمت کا قرب اور علوم وفنون حکمت میں محدود ربانی رہنمائی اس امر کا تقاضا ضرور کرتی ہے کہ مذکورہ تعلیم، تعلیم کتاب کے موافق اوراس کے مقاصد کے مطابق ہو اوراس کے خلاف ہرگز نہ ہو ورنہ وہ مطلوب مقصدیت کو کھودے گی۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ تعلیم سے مراد ابلاغ علم ہے خواہ وہ رسمی انداز میں ہو جیسے مدرسہ وجامعہ کی تعلیم اور خواہ غیر رسمی انداز میں ہو جیسے دعوت و تبلیغ یا آج کل کے ماحول میں پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے انتقال علم ومعلومات اور فکری و عملی رویوں پر اس کا اثر انداز ہونا۔

تزکیہ سے کیا مراد ہے؟

تعلیم کا حاصل ہے تزکیہ جو منطقی طور پر بھی تعلیم کی غایت ہے اور قرآنی اسلوب سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ تعلیم کا لازمی نتیجہ تزکیہ ہونا چاہیے[1]۔ تزکیے سے مراد یہ ہے کہ نفس انسانی کی تربیت تعلیم کے تقاضوں کے مطابق ہو یعنی تعلیم جس طرح کا آدمی بنانا چاہتی ہے اس طرح کا آدمی عملاً بن جائے۔ لغوی تناظر میں تزکیے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی صفات مزمومہ یعنی نفس کے برے اور حیوانی رجحانات اور مضر رویوں سے پاک اور دست بردار ہو جائے اور صفات حسنہ یعنی خیر کے رجحانات اور اچھی عادات وفضائل کو اپنائے اوران میں ترقی کرے۔ یعنی تعلیم آدمی کے دل و دماغ کو بدل کر اس کے رویوں پر اثر انداز ہو اور انہیں بدل دے۔ دل و دماغ کی تبدیلی کے اس عمل کو اگر شرعی اصطلاح میں بیان کریں تو یہ کہیں گے کہ ایمان اتنا مضبوط ہو جائے کہ ان اعمال کو جنم دے جو تقاضائے ایمان ہیں۔ صحیح تعلیم وتزکیے سے آدمی کو بدلنے سے ہماری یہی مراد ہے۔ اگر یہ کام بچوں میں کیا جائے تو یہ انشاء کا کام ہوگا اور اگر

۱- اس کا قرینہ یہ ہے کہ قرآن حکیم میں تعلیم کتاب وحکمت سے پہلے بھی تزکیے کا ذکر ہے اور بعد میں بھی، جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اول وآخر مطلوب تزکیہ ہی ہے۔

بڑوں (Grown ups) پہ کیا جائے تو اصلاح کہلائے گا کیونکہ نفس انسانی ہوا میں پروان نہیں چڑھتا بلکہ زمینی حقائق سے متاثر ہوتا ہے اور ہر انسان کی تربیت، جس طرح کے ماحول اور معاشرت میں وہ پلے بڑھے، اس کے نظریۂ حیات اور اسالیب حیات کے مطابق ہوتی رہتی ہے خواہ اسے اس کا شعوری احساس ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا آدمی کی اصلاح ضروری ہے اور پیغمبر یہی کام کرتے ہیں کہ صحیح تعلیم کے ذریعے انسان کا تزکیہ کرتے ہیں یعنی اسے بدل دیتے ہیں۔ آدمی کی یہی تبدیلی انسانی معاشرے میں انقلاب کی حقیقی بنیاد ہے۔ اگر آدمی نہ بدلے تو اجتماعی زندگی (سیاست، معیشت، معاشرت وغیرہ) میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آتی اور اگر آدمی بدل جائے تو سارے اوضاع زندگی تبدیل ہونے لگتے ہیں لہٰذا اصل چیز آدمی کی تبدیلی (تزکیہ) ہے جس کا ذریعہ تعلیم کتاب وحکمت ہے۔ فرد اور معاشرے کی تبدیلی کا یہ قرآنی نسخہ ہے جو شخص اس کو نہ سمجھے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے یا اس کی اہمیت نہ سمجھے اس کی عقل خام ہے اور اس کا نتیجہ ناکامی اور گمراہی ہے۔

تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیے کا نتیجہ

تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیے کے نتیجے میں انسان میں جو تبدیلی آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کا مطلوب اور پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے۔ وہ اپنے خالق سے محبت کرنے لگتا ہے اور اس سے ڈرنے لگتا ہے۔ وہ اس کی عبادت واطاعت میں جُت جاتا ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ کی عبادت واطاعت اسے مرغوب ومحبوب ہو جاتی ہے اور جب وہ اللہ کی عبادت وطاعت کی زندگی گزار کر اس کے پاس حاضر ہوگا تو اللہ کی خوشنودی اور رضا سے متمتع ہوگا اور اس کی جنتوں کا حق دار ٹھہرے گا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اور اس سے بڑی کامیابی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح آدمی جب تعلیم کتاب وحکمت سے اس طرح مزکیٰ ہو جاتا ہے جس کی وضاحت ہم نے سطور بالا میں کی ہے تو اسے وہ دولت ہاتھ آتی ہے جو دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے اور وہ اطمینان قلب ہے۔ اسے خوشی اور قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کی رضا اور اس کی عبادت وطاعت کی مقدور بھر کوشش کر رہا ہے اور اس طرز عمل سے اسے ایسا گہرا قلبی سکون عطا ہوتا ہے کہ ساری دنیا کی دولت اس کے آگے ہیچ ہوتی ہے خواہ وہ جھونپڑے میں رہتا ہو اور اسے دو وقت کی روٹی بھی میسر نہ ہو۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو آدمی ناخوش وناخورسند رہتا ہے خواہ ساری دنیا کی دولت اس کے پاس ہو۔ اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ آج دنیا کی ہر دولت اور ہر مادی سہولت امریکہ ویورپ میں وافر موجود ہے لیکن دنیا میں سب سے زیادہ دماغی امراض کے ہسپتال وہیں ہیں، جرائم کی شرح سب سے زیادہ وہاں ہے، طلاق کی شرح سب سے زیادہ وہاں ہے، اولڈ ہوم سب سے زیادہ وہاں ہیں اور خودکشی کی شرح سب سے زیادہ وہاں

ہے۔ گویا آدمی سب سے زیادہ ناخوش اور غیر مطمئن وہاں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار.

تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ کے ذریعے جو تبدیلی انسان میں واقع ہوتی ہے اس کا نتیجہ دنیا میں قوت و غلبے کی صورت میں نکلتا ہے۔ وہ اس طرح کہ صحیح تعلیم اور تزکیے سے اس کی صلاحیتیں جاگ جاتی ہیں اور یہ تبدیلی اگر معاشرے کے اکثر یا معتد بہ آدمیوں میں آجائے تو قوت وصلاحیت کا لاوا پھوٹ پڑتا ہے اور وہ رویے پنپ اٹھتے ہیں جو دنیا میں اکتساب وسائل اور ترقی وعروج کے لیے ضروری ہیں جیسے محنت کی عادت، وقت کی پابندی، نظم وضبط، تنظیم اور منصوبہ بندی، اطاعتِ قانون وامیر، ایثار وقربانی اور پھر معاشرہ دنیاوی لحاظ سے بھی روز افزوں ترقی کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آدمی تیار کیے تھے اگرچہ انہوں نے کوئی ایٹم بم نہیں چلایا لیکن دنیا کی اُس وقت کی سپر طاقتیں چند سال کے اندر اندر ان کے قدموں میں ڈھیر ہوگئیں کیونکہ وہ نفوس مزکیٰ کے حامل تھے، رات کو مصلے پر ہوتے تھے اور دن میں گھوڑوں کی پیٹھ پر۔ مسلمانوں کی سطوت وعظمت کا راز اور ان کی قوت وشوکت کی داستان کا لب لباب بس اتنا ہی ہے یعنی تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ یا بالفاظ دیگر آدمی کی تبدیلی۔

تو مستفسر کے اس سوال کا کہ مسلمان دنیا وآخرت کی رسوائی سے کیسے بچ سکتے ہیں، مختصر جواب یہ ہے کہ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ کے ذریعے کیونکہ اگر مسلمان افراد کی اکثریت آج بھی اس فارمولے کو اپنالے تو ان کے اندر آج بھی وہی صلاحیتیں اور وہی قوت پیدا ہو جائے گی جو قرن اوّل میں پیدا ہوئی تھی اور اسی کا امتداد انہیں ایک ہزار سال تک غلبہ وعروج سے ہم کنار رکھنے کے کام آتا رہا۔ گویا مسلمان تعلیم کتاب وحکمت پر عمل کر کے اور تزکیے کے ذریعے اپنے آپ کو تبدیل کر کے آج بھی اللہ کی عبادت و طاعت کی زندگی گزار سکتے ہیں، دنیا کی ناکامی اور رسوائی سے بچ سکتے ہیں اور آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ سچ مچ اپنے آپ کو بدل لیں۔

زوالِ امریکہ

اقوام متحدہ کے شماریاتی بیورو کے اعداد وشمار کے مطابق:

- تین کروڑ ستر لاکھ امریکی شہری خط غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں، جو کل امریکی آبادی کا ۱۲.۶ فیصد ہیں۔
- ۲۳ لاکھ امریکی شہری بشمول دس لاکھ بچوں کے مستقل یا عارضی طور پر بے گھر ہیں۔
- چند امیر ترین امریکی گھرانوں کے پاس اتنی دولت ہے جتنی نچلے ۹۵ فیصد امریکیوں کے پاس ہے۔

بزمِ قارئین

پروفیسر ڈاکٹر تحسین فراقی (لاہور) **موضوع:** البرہان شمارہ اپریل ۲۰۱۲ء

'جب باڑ باغ کو کھانے لگے' کے عنوان سے البرہان اپریل میں آپ کا شذرہ دلچسپ اور برمحل ہے۔ 'پاکستان کا مستقبل- اسلامی یا سیکولر' بھی ایک اچھی کاوش ہے۔ ہم نے بھی 'مباحث' میں اس موضوع پر پرایک سنجیدہ علمی مضمون طبع کیا ہے، شاید آپ کی نظر سے گزرا ہو۔ 'وہی ذبح بھی کرے ہے وہ لے ثواب الٹا' میں آپ نے شرمین چنائے اور اس کے حمایتیوں پر صحیح گرفت کی ہے لیکن اگر زبان ذرا نرم ہوتی تو آپ کی بات مزید موثر ہوتی۔

ملک احمد سرور (مدیر بیدار ڈائجسٹ، لاہور) **موضوع:** عمران خان

ماہنامہ ''البرہان'' کے شمارہ فروری اور اپریل میں شائع ہونے والے دونوں تجزیے میں نے بغور پڑھے ہیں۔ آپ نے جو سوالات اٹھائے ہیں یا جن خدشات کا اظہار کیا ہے، بیشتر کا تو آپ خود ہی جواب دیتے گئے ہیں۔ عمران خان کے بارے میں لکھے گئے میرے متعدد مضامین میں بھی ان کے تفصیلی جواب آ چکے ہیں۔ صحت نے اجازت دی اور وقت ملا تو آپ کے اعتراضات و خدشات کو سامنے رکھ کر ماہنامہ البرہان کے قارئین کے لیے جامع جواب پیش کرنے کی کوشش کروں گا، لیکن فی الحال تو چند سطروں پر ہی اکتفا کر رہا ہوں۔

آپ کے تجزیے پڑھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ''آئیڈیلز'' کے معاملے میں میرا آپ سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ سو فیصد اتفاق ہے۔ میرے خیال میں بات صرف اتنی ہے کہ آپ کا تجزیہ معمول کے سیاق و سباق میں کتابی مطالعہ کی بنیاد پر ہے جبکہ میری تحریروں پر تجربات کا اثر نمایاں ہے اور یہ ایمرجنسی کے سیاق و سباق میں لکھی گئی ہیں۔ عمران خان کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر ''گمان'' کی بنیاد پر ہے اور اس پر تنقید ''آئیڈیلز'' کے تناظر میں ہے، جب کہ میں اس کی حمایت ''آئیڈیلز'' کی بنیاد پر نہیں بلکہ ''دستیاب بہتر'' کی بنیاد پر کر رہا ہوں۔ میں اس سے اسلامی انقلاب کی کوئی توقع نہیں رکھتا۔ پردۂ غیب سے معجزانہ طور پر کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن ارضی حقائق یہ ہیں کہ کسی بھی جماعت سے اسلامی انقلاب کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی اور آپ کے تجزیے بھی میری اس رائے کی تائید کر رہے ہیں۔ حقیقی اسلامی نظام کا نفاذ، خلافت کا قیام یا پھر طالبان کی حکومت تو عوام کے سامنے آپشن ہی نہیں۔ آئین میں آرٹیکل ٦ کے ہوتے ہوئے جرنیلی اقتدار کی حمایت بھی نہیں کی جاسکتی۔ جب آپشن ہی ایک ہے یعنی کرپٹ جمہوری نظام، تو اس کی علمبردار جماعتوں میں عمران خان (تحریکِ انصاف) ہی بہتر یا مناسب انتخاب ہے۔ آزمائے ہوئے کرپٹ، دغاباز اور نوسرباز

سیاستدانوں سے بھلائی کی کوئی امید باندھنا 'بدترین حماقت' ہوگی۔

رہا مسئلہ عمران خان کی طرف سے جلسوں میں گانوں یا ترانوں کو رواج دینے کا تو عالمِ عرب اور افریقہ کی جن دینی جماعتوں کے ہم سب قصیدہ خوان ہیں، ان کی انتخابی مہم میں یہ سب کچھ عمران خان سے کہیں زیادہ پیش ہوا۔ لبرل ازم میں عمران خان ابھی عالمی پردۂ سکرین پر موجود ''آئیڈیل'' اسلامی لیڈروں سے بہت پیچھے ہے۔ رہا اس کا نوجوانی کا کردار اور اس پر بدکرداری کے الزامات تو اس معاملے میں ہمیں اسلامی احکام کو سامنے رکھنا ہوگا یعنی چار شہادتیں پیش کرنی ہوں گی۔ الزام لگانے والوں میں سے وہ کسی کے پاس نہیں، اگر ہیں تو پیش کرے۔ اگر عمران خان خود بھی تسلیم کرلے تو پھر بھی جرح ہوگی کہ کہیں اس کا دماغی توازن تو خراب نہیں، اس کے بعد عدالت مطمئن ہوگی تو وہ مجرم قرار پائے گا۔ ہمیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ حالات و واقعات بھی ایک شہادت ہوتے ہیں۔ ماہنامہ چشم بیدار کے شمارہ مارچ میں شائع ہونے والی MTV کی عالمی شہرت یافتہ اینکر پرسن 'کرسٹیانے بیکر' کی آپ بیتی عمران خان پر لگائے جانے والے ایسے ہی لغو اور بیہودہ الزامات کی ٹھوس تردید ہے۔ زانی اور عیاش نوجوان حسیناؤں کو اسلام کی دعوت اور قرآن مجید کے تحفے پیش نہیں کرتا، اور نہ کوئی حسینہ کسی زانی کی دعوت پر اسلام قبول کرکے کروڑوں ڈالر دینے والا شوبز کا پیشہ ترک کرتی ہے اور حجاب اوڑھتی ہے۔ ایک فرد سیکولر اور لبرل دنیا کو خیرباد کہہ کر اسلام کی طرف آیا ہے تو اس کے بارے میں حسن ظن رکھیں، بدگمانیاں اکثر گناہ ہوتی ہیں۔ ہر ابھرتے مسلمان لیڈر کو لارنس آف عریبیا نہ سمجھیں۔ ۶۵ سالوں میں بار بار دھوکے کھا چکے ہیں، زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ ایک دھوکا اور کھالیں گے۔

ہم اہلِ پاکستان بدترین ایمرجنسی کی حالت میں ہیں اور اس کا ذمہ دار مقتدر ٹولہ ہے جس میں نواز شریف بھی شامل ہے۔ آپ کا تعلق مڈل کلاس سے ہے، اس لیے میرے خیال میں آپ حالات کا مکمل ادراک نہیں رکھتے۔ روزہ رکھنے والا فاقہ کش کی تکلیف اور اذیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا کیونکہ روزے کی بھوک قوت دیتی ہے اور فاقے کی بھوک اذیت و ذلت۔ آپ روزے کی بھوک سے تو آگاہ ہیں مگر فاقہ کش کی اذیت اور احساسِ ذلت سے نہیں۔ میں ایمرجنسی میں ''فرسٹ ایڈ'' کی بات کر رہا ہوں جب کہ آپ علاج کے لیے اعلیٰ کوالیفائیڈ فزیشن اور سرجن تجویز کر رہے ہیں جو دور دور تک دستیاب ہی نہیں۔ کیا ماہر فزیشن اور سرجن کے انتظار میں مریض کو مرنے دیا جائے؟ اگر مسلمان ڈاکٹر دستیاب نہ ہو تو پھر کس سے علاج کرایا جائے؟

قوم کی حالت گندے نالے جیسی ہے، اور یہ سیکولر اور مذہبی جماعتوں نے مل کر بنائی ہے۔ آپ جیسے لوگ جو گندے نالے کی صفائی کے لیے کوشاں ہیں، ان کی کوششیں بھی مسلکی جماعتوں کی وجہ سے رائیگاں جارہی ہیں۔ پاکستان میں اسلام کا نفاذ ناممکن حد تک مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر طویل کرے، بیس سال بعد بھی آپ اسلام کے نام پر فرقہ پرستی کے زہر ہی کو پھیلتا ہوا دیکھیں گے۔ آج جو

حالات ہیں، ان میں ایمان بچانا بھی مشکل ہو چکا ہے، میں تو عمران خان کی حمایت محض اس ایمان کو بچانے کی خاطر کر رہا ہوں۔ گانوں کے شور میں ایمان بچ جائے گا مگر بھوک، کرپشن اور نفسا نفسی کے سونامی میں ایمان نہیں بچ سکتا۔ آزمائے ہوئے کرپٹ ٹولے کی نسبت عمران خان اگر پندرہ بیس فیصد بھی بہتر ثابت ہوا تو لاکھوں سفید پوشوں کا ایمان بچ جائے گا، اور یہی لوگ آپ کے خوابوں کے پروگرام کا مستقبل میں حصہ بنیں گے۔ کرپٹ سیاسی اور مذہبی ٹولے کی حمایت میں اپنے اس قیمتی سرمائے کو ضائع نہ ہونے دیں۔

دعا ہے کہ اگر میرے خیالات درست ہیں تو اللہ تعالیٰ مجھے استقامت دے اور اگر غلط ہیں تو میرے ذہن کو تبدیل کر دے۔ آمین

سردار عالم خاں (لاہور) — **موضوع**: اسلام اور جمہوریت

شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری معروضات 'البرہان' کی 'بزم قارئین' میں شائع فرمائیں۔ ان پر 'البرہان' کا تبصرہ آپ کا حق ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو چند امور کی وضاحت پیش کر دوں۔ آپ نے پاکستان کے سیاسی نظام کے حوالہ سے دو رویوں کا ذکر فرمایا ہے:

ایک یہ کہ 'غیر مسلم معاشرہ میں مروج سیاسی اداروں اور روایات سے ایسا محدود اور محتاط استفادہ کیا جائے جو اسلامی اصولوں اور شرعی مقاصد کے خلاف نہ ہو'

اور دوسرے یہ کہ 'مغرب کی اسلام دشمن غالب تہذیب سے مرعوب اور متاثر ہو کر اس کے سیاسی نظام کو اپنا لیا جائے اور اشک شوئی کی خاطر اس میں کچھ تھوڑی بہت اسلامی باتیں داخل کر لی جائیں'

آپ پہلی صورت کی تصویب کرتے ہیں اور دوسری صورت کو رد کرتے ہیں اور سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا میں ان دو صورتوں میں فرق محسوس نہیں کرتا۔ میں مودبانہ عرض کروں گا کہ ان دو صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اس بارے میں کوئی بھی آپ سے اختلاف نہیں کرے گا۔ مگر یہ تو تنقیح طلب معاملہ ہے ہی نہیں۔ اختلاف رائے تو اس بات پر ہے کہ پاکستان کے دینی عناصر نے 'قرارداد مقاصد' منظور ہونے کے بعد پاکستان کے جس سیاسی نظام میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا (اس اعلان شدہ موقف کے ساتھ کہ اس کی مزید اصلاح ان کے پیش نظر رہے گی) وہ درست تھا یا نہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ یہ اجتہادی غلطی تھی، جس سے رجوع کر لینا چاہیے۔ میری ناچیز رائے میں یہ فیصلہ درست تھا چونکہ یہ آپ کی بیان کردہ دو صورتوں میں سے پہلی صورت کے قریب تھا۔ ایک بزرگ کی رائے میں 'قرارداد مقاصد' کی منظوری کے بعد ریاست نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ البرہان کے تازہ شمارہ میں آپ نے عمران خان کے حوالہ سے جو مضمون تحریر فرمایا ہے وہ بھی ہمارے ملکی آئین کو پہلی صورت کے قریب ہی ظاہر کرتا ہے۔ آپ کے اپنے الفاظ ہیں:

دیکھیے جناب! ریاست کے اسلامی تصور اور مغربی تصور میں فرق بہت واضح ہے

مغرب میں ریاست سیکولر ہے۔اس کے کوئی دینی یا روحانی اہداف نہیں۔اس کے پیش نظر صرف دنیا ہے اور صرف دنیا کی زندگی کی کامیابی جب کہ اسلام میں ریاست کے بنیادی مقاصد...... یعنی قیام نظام صلوٰۃ وزکوٰۃ، جہاد اور حدود اور اسلام کے سیاسی، معاشی اور سماجی پہلوؤں کا نفاذ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی فرد کی مساعدت اور اس کے لیے ایسا ماحول پیدا کرنا کہ الٰہی احکام پر عمل اس کے لیے سہل ہو جائے اور کم وبیش یہ ساری باتیں پاکستان کے آئین میں موجود ہیں اور ان مذہبی سیاسی جماعتوں کی جدوجہد کی وجہ سے ہیں جنہیں برا کہتے ہماری زبان نہیں تھکتی مثلاً یہ کہ ریاست اسلامی جمہوری ہوگی اور اس کا مذہب اسلام ہوگا...... ریاست پاکستان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو اسلام کے مطابق زندگی گزارنے میں مدد دے اور ایسے حالات پیدا کرے کہ وہ اسلامی زندگی گزار سکیں- اقتدار کے اہل صرف وہ لوگ ہوں گے جو متقی اور ایماندار ہوں گے اور ریاست کو ان امور پر عمل میں مدد دینے کے لیے اسلامی علوم کے ماہرین پر مشتمل ایک ادارہ (اسلامی نظریاتی کونسل) بھی موجود ہے۔کوئی قانون خلاف قرآن وسنت نہیں بنایا جا سکتا اور ایک وفاقی شرعی عدالت تشکیل دی گئی ہے جو غیر اسلامی قوانین کو ختم کر سکتی ہے۔'

آپ کا دوسرا تبصرہ سو فیصد درست ہے۔آپ نے بالکل سچ پہچانا کہ عربی زبان، قرآن مجید اور اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں میرا مطالعہ انتہائی محدود ہے۔آپ نے تو خاصی رعایت برتی یہ کہہ کر کہ میرا تحریر کردہ فقرہ 'ہر مسلمان زمین پر اللہ کا یکساں خلیفہ ہوتا ہے' ظاہر کرتا ہے کہ ان موضوعات پر مجھے مطالعہ کا زیادہ موقع نہیں ملا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ میں نے قرآن حکیم کا ترجمہ اور اسلام کے بارے میں اردو کی چند کتب ہی پڑھی ہیں۔اصل میں 'ووٹ کی مساوات' کے موقف کی تائید کرتے ہوئے مجھے مولانا مودودی کی کتاب 'اسلامی ریاست' میں پڑھے ہوئے اس طرح کے فقرات یاد آئے۔

'خلیفہ بنانے کا وعدہ تمام مومنوں سے کیا گیا ہے کہ سب مومن خلافت کے حامل ہیں۔خدا کی طرف سے جو خلافت مومنوں کو عطا ہوتی ہے وہ عمومی خلافت ہے یہاں ہر شخص خلیفہ ہے وغیرہ وغیرہ۔منتخب خلیفہ وقت اللہ تعالیٰ اور اسے منتخب کرنے والے مسلمانوں کو جوابدہ ہے۔'

مولانا کے اس خیال کو ہی بزعم خود میں نے اس فقرہ میں سمونے کی کوشش کی تھی کہ 'ہر مسلمان زمین پر اللہ کا یکساں خلیفہ ہوتا ہے' آپ نے اس پر خوب گرفت فرمائی ہے اور میرے مطالعہ کا بھرم بھی خوب کھولا ہے۔مولانا کا مفہوم یقیناً کچھ اور ہوگا اور میں نے اپنی کج فہمی سے اسے کچھ اور ہی بنا دیا...... میں اس کے لیے آپ سے اور آپ کے قارئین سے معذرت خواہ ہوں۔

تبصرۂ کتب　　　　ڈاکٹر محمد امین

محمد منصور الزماں صدیقی
تذکرہ وسوانح اور آثار وافکار
از مولانا عبدالقیوم حقانی

ہم جس تہذیب اور روایت کے امین ہیں اخلاص، بے نفسی اور اخفاء اس کے جوہر تھے اور ریا اور نمود و نمائش کا ترک اس کا طرۂ امتیاز تھا۔ کمٹمنٹ، دل جمعی اور خاموشی سے عمر بھر اپنے مشنِ خیر میں لگے رہنا اس کا ایک وصف تھا۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا۔

ہمارے زوال کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ایسے نمونے اب ہماری معاشرت سے عنقا ہوتے جارہے ہیں۔ محمد منصور الزماں صدیقی صاحب ایک ایسا ہی نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وعافیت سے نوازے اور ان کے اخلاف کو بلکہ ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

چند سال ہوئے ہم نے ملک کی ایک معروف دینی جماعت کے ایک لیڈر کا احتجاجی بیان اخبار میں دیکھا جس میں انہوں نے پریس سے احتجاج کیا تھا کہ ان کی 'اتنی بڑی تربیت گاہ' کی کوریج ٹی وی والوں نے نہیں کی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بھی مغربی تہذیب کی ایک نحوست ہے جس نے ہماری زندگیوں پر غلبہ پالیا ہے کہ ہم خیر کا جو کام کرتے ہیں اس کی تشہیر بھی چاہتے ہیں بلکہ اب تو تکنیک یہ بن گئی ہے کہ کام کم کرو اور پروپیگنڈا زیادہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص اور بے نفسی عطا فرمائے اور ریا سے بچائے۔ آمین

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کا قلم ماشاء اللہ خوب رواں ہے۔ وہ بہت لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں بلکہ نثر میں شاعری کرتے ہیں (اگرچہ اپنے پٹھانی پس منظر کی وجہ سے بعض اوقات تذکیر و تانیث وغیرہ میں پھسل بھی جاتے ہیں) اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم جیسا کور ذوق اور سادگی پسند ان کے اشہب قلم کی روانی وشکوہ کا ساتھ نہیں دے پاتا۔ تاہم، ہم ان کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ اس آرزو کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ انہیں، ہمیں بلکہ اجتماعی زندگی میں کام کرنے والے ہر شخص کو صدیقی صاحب کے اپنائے ہوئے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

''یہ کتاب درحقیقت 'علمی ودینی، قومی وملی، تبلیغی واصلاحی، ادبی واشاعتی اور رفاہی خدمات کے حوالے سے ایک بے نام اور گمنام بزرگ کارکن کی سبق آموز داستانِ حیات ہے اور جماعتی واجتماعی، تحریکی، تنظیمی اور اصلاحی اداروں سے وابستہ کارکنوں اور عام افراد کے لیے ایک کامیاب نمونۂ عمل ہے۔''

محمد منصور الزماں صدیقی - تذکرہ وسوانح اور آثار وافکار، صفحات ۳۶۸ القاسم اکیڈمی، جامعہ ابی ہریرہ خالق آباد (نوشہرہ، کے پی کے) نے شائع کی ہے اور اس پر قیمت درج نہیں ہے۔

تالیفات ڈاکٹر محمد امین

تعلیم و تربیت	صفحات	قیمت
۱۔ **ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل۔ چند نظریاتی مباحث** (دوسرا ایڈیشن)	۵۴۰	۴۵۰ روپے
اسلامی تناظر میں تعلیمی نظام کی تشکیل نو۔ ماڈل اسلامی سکول، یونیورسٹی اور نظام تعلیم کا عملی خاکہ ثنویت کے خاتمے کا طریق کار، نفاذ اسلام اور مسلم نشأۃ ثانیہ میں تعلیم کا کردار، وغیرہ		
۲۔ **ہمارا دینی نظام تعلیم** ☆	۳۱۴	۳۵۰
دینی تعلیم کے چار وفاقوں کے ذمہ دار علماء سے طویل مشاورت اور مباحث کے نتیجے میں دینی مدارس کے لیے اصلاحی تجاویز اور متبادل نصاب		
۳۔ **تعلیمی ادارے اور کردار سازی**	۱۵۳	۸۰
اس سوال کا جواب کہ جدید تعلیمی اداروں میں اسلامی نقطہ نظر سے بچے کی تربیت اور کردار سازی کیسے کی جاسکتی ہے؟		
۴۔ **جدید اسلامی نصاب تعلیم** ☆	۲۳۱	۲۶۰
پہلی سے بارھویں جماعت تک، سارے مضامین کے لیے، دینی اور عصری علوم کے امتزاج پر مبنی		
۵۔ **پاکستان میں تعلیم کی اسلامائزیشن** ☆	۴۲	۴۷
۶۔ **مطالعۂ قرآن و حدیث** (برائے جماعت اوّل تا پنجم)	۲۴۰	۱۹۰
ہر جماعت کے لیے الگ۔ مروجہ دینیات سے الگ اور زائد مطالعہ کے لیے		
۷۔ **بروشرز**		
۱۔ پرائیویٹ سکولوں کے نام ایک اہم پیغام	۱۲	
۲۔ طلبہ کی اسلامی تربیت۔ کیوں اور کیسے؟	۱۶	
۳۔ انگلش میڈیم۔ فائدے اور نقصانات	۱۲	۵۰
۴۔ دینی مدارس کے نام۔ ایک اہم پیغام	۱۲	
۵۔ والدین کے نام ایک اہم پیغام	زیر طبع	
۶۔ نوجوانوں کے نام ایک اہم پیغام	زیر طبع	

تربیت وتزکیہ

۱۔ اسلام اورتزکیۂ نفس۔مغربی نفسیات کے ساتھ تقابلی مطالعہ ۹۰۴ ۶۰۰

تعمیر سیرت کا اسلامی منہج قرآن وسنت کی روشنی میں۔مسلم ادارے اور
تجربات۔مغربی فکر وعمل سے ان کا موازنہ۔ایک علمی،فکری اور تحقیقی تجزیہ

۲۔ ترکِ رذائل ۲۹۲ ۱۹۰

بُرے اخلاق،ان کے اسباب،نقصانات اوران سے بچنے کے عملی طریقے

۳۔ حقیقتِ تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً)☆ ۵۵ ۵۲

مختصر،سادہ،عام فہم اور غیر اختلافی انداز میں اہم مسئلے کی وضاحت

۴۔ حقیقتِ تصوف ۸ ۵

قرآن وسنت

۱۔ سورہ یٰسین زیرِ طبع

دورنگوں میں،بیک وقت تین تراجم (لفظی،بامحاورہ اورتفسیری)
مع قرآنی عربی الفاظ کے اردو استعمالات کی نشاندہی کے

۲۔ Riyadh-us-Saliheen (2 Vols) ۱۴۵۴ ۱,۰۰۰

حدیث اورتزکیۂ نفس کی معروف کتاب ریاض الصالحین
اوراس کے حواشی کا انگریزی ترجمہ

۳۔ Noble Quran, Part 1☆ ۷۰ ۶۰

قرآن حکیم کے پہلے پارے کا انگریزی میں لفظی ولغوی ترجمہ

۴۔ Noble Quran, Part 2-9☆ ۸۳۸ ۹۳۸

پارہ ۲ تا ۹ کا انگریزی میں لفظی ولغوی ترجمہ

فقہ وقانون

۱۔ عصرِ حاضر اوراسلام کا نظامِ قانون☆ ۲۷۳ ۳۰۰

۲۔ Islamization of Laws in Pakistan ۲۵۸ ۲۰۰

پاکستان میں مروجہ قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کی
جدوجہد کا علمی تجزیہ،ضیاء الحق دور کا خصوصی مطالعہ

۳۔ السلطة التشریعیة۔دراسة مقارنة **(عربی)**☆ ۱۶۹ ۱۹۵

اسلام میں اجتہاد اورمغرب میں قانون سازی کے عمل کا تقابلی مطالعہ

مسلم امہ

۱۔ **مسلم نشأۃ ثانیہ۔اساس اور لائحہ عمل**	۴۰۷	۲۵۰
اس اہم سوال کا جواب کہ مسلمان کس طرح زوال کے موجودہ گرداب سے نکل سکتے ہیں اور کس طرح دوبارہ غلبہ و عروج سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔مکمل لائحہ عمل		
۲۔ **اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش۔ایک تجزیہ،ایک مطالعہ** (دوسرا ایڈیشن)	زیر طبع	
۳۔ **جہاد اور دہشت گردی۔عصری تطبیقات**	۱۳۰	۱۰۰
۴۔ **مسلمانوں کی ترقی کا واحد راستہ**	۱۲	۸

سیاسیاتِ اسلام

۱۔ **اسلام اور پاکستان**☆	۱۲۷	۱۵۵
پاکستان میں نفاذ اسلام کا صحیح طریق کار		
۲۔ **اسلامی انقلاب۔مفہوم،تقاضے اور حکمت عملی**☆	۱۳۳	۱۴۰
۳۔ **سیاسی جماعتوں کی شرعی حیثیت**☆	۴۵	۵۰
۴۔ **اسلام اور جدید سیاسی مسائل**	زیر طبع	

اسلام (متفرق)

۱۔ **رزم حق و باطل**☆		
ان مسلم داعیوں اور حریت پسندوں کا تذکرہ جنہیں کج فہم مسلم حکمرانوں سے کشمکش کرنا پڑی	۱۱۸	۱۳۰
۲۔ **مقالاتِ امین (دو جلدیں)**☆	۱۲۵۸	۱۳۵۰
ان مضامین و مقالات کا مجموعہ جو مختلف اوقات میں جرائد و اخبارات میں چھپتے رہے		
۳۔ **عصر حاضر میں تعبیر دین**	زیر طبع	
۴۔ **ایک نئی دینی تحریک کی ضرورت**	زیر طبع	

☆ فوٹو کاپی مہیا کی جاسکتی ہے۔

۔ خرید کتب کے لیے تحریک اصلاح تعلیم کے دفتر سے رابطہ کیجیے،فون نمبر 0300-4609522

۔ مندرجہ بالا قیمتوں میں ڈسکاؤنٹ شامل ہے ڈاک خرچ شامل نہیں جو موجودہ قیمت کا ۱۵% ہوگا۔

طریق ادائی: منی آرڈر یا پے آرڈر بنام تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ، 71-A فیصل ٹاؤن، لاہور۔